© rasailojaraid.com

امام ابو حنیفہؒ کا سیاسی کردار اور عصرِ حاضر میں اس کی معنویت

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی ☆

امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی کردار کے حوالے سے بہت سے سوالات بحث طلب ہیں مثلاً یہ کہ امام صاحب کے اپنے دور کی سیاسی تحریکوں سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ آپ نے ان تحریکوں میں کس حد تک حصہ لیا؟ یہ تحریکیں آپ کی زندگی پر کس حد تک اثر انداز ہوئیں؟ امام صاحب کے سیاسی افکار و نظریات کیا تھے؟ ان کی بنیاد پر آپ نے کیا سیاسی لائحہ عمل اختیار کیا؟ اسلامی اقدار کے احیاء، عوامی حقوق کے تحفظ اور خلافتِ راشدہ کے طرز پر اسلامی حکومت کے قیام کے لیے آپ نے کیا قربانیاں دیں؟ آپ اپنے مشن میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ اور عصرِ حاضر میں امام صاحب کے کردار سے استفادہ کس حد تک ممکن ہے؟

مقالہ ہٰذا میں امام صاحب کی شخصیت کے ان ہی پہلوؤں پر بحث و تحقیق کی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی خدمات کا تجزیہ کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دور کے سیاسی اور اجتماعی احوال کا کچھ نقشہ بھی سامنے لایا جائے تاکہ اس شعبہ میں آپ کی خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

امام ابوحنیفہؒ کا عہد

امام ابوحنیفہؒ کی ولادت معتبر روایات کے مطابق ۸۰ھ میں عراق کے دارالحکومت کوفہ میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں ہوئی[۱]۔ آپ نے اموی اور عباسی ہر دو حکومتوں کا مشاہدہ کیا، اپنی زندگی کے باون (۵۲) سال بنو امیہ کے عہد میں اٹھارہ (۱۸) سال بنو عباس کے عہد میں گزارے۔ ۹۵ھ میں حجاج بن یوسف والیِ عراق کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۱۵ سال تھی اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت (۹۹ھ-۱۰۱ھ) میں آپ جوان تھے، یزید بن المہلّب، خالد بن عبداللہ القسری اور نصر بن سیّار کی ولایتِ عراق کا زمانہ آپ کی نظروں سے گزرا، خود آخری اموی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، بالاکوٹ، مانسہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گورنر ابن ہبیرہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے، عباسی دعوت آپ کی نگاہوں کے سامنے اٹھی، جس کا مرکز آپ کا شہر "کوفہ" تھا، عباسی خلیفہ منصور کے عہد میں ۱۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور کے سیاسی و اجتماعی احوال

اموی دورِ حکومت:

امام ابو حنیفہؒ نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں آنکھ کھولی۔ اس وقت حجاج بن یوسف (جو کہ "ظالم الأمۃ" کے نام سے معروف ہے) عراق کا گورنر تھا۔

اموی مظالم:

اس دور میں ظلم و ستم اس قدر عام ہو چکا تھا کہ بڑے بڑے علماء و ائمہ بھی اس سے محفوظ نہ تھے، حق گوئی کی وجہ سے بغاوت کے الزام میں دھر لیے جاتے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے، بعض کو زہر دلا کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا، کتنے ہی علماء و صلحاء ہیں جو اس دور میں حکمرانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ عبدالملک بن مروان ۷۵ھ میں جب مدینہ منورہ پہنچا تو منبر رسولؐ سے یہ اعلان کیا کہ "میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا اور کسی چیز سے نہ کروں گا--- خدا کی قسم! آج کے دن کے بعد کسی نے اگر مجھے "اتق اللہ" کہا تو اس کی گردن اڑا دوں گا"(۲)۔ اور الجصاص کے الفاظ میں "اوّل من قطع السنة النّاسِ فی الأمر بالمعروف والنّهی عن المنكر"(۳)۔ (یہ پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ) تھا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لوگوں کی زبانیں کاٹ دیں۔ ولید بن عبدالملک کو جب ایک شخص نے خطبۂ جمعہ میں تاخیر پر ٹوکا تو اس کی گردن اڑا دی گئی(۴)۔

حجاج کے دورِ حکومت میں جو لوگ قید کی حالت میں بے گناہ قتل کیے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی گئی ہے(۵)۔ یہ ظلم و ستم اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز چلا اٹھے کہ "عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرۃ، مدینہ میں عثمان بن حیّان، مکہ میں خالد (القسری)! اللّٰهم قد امتلأتِ الدّنيا ظلماً وجورًا فأرح النّاس(۶)۔ (اے اللہ! تیری دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔ اب لوگوں کو راحت دے)۔

ان مظالم کے خلاف جب کبھی عوام میں شورش ہوتی اور حرفِ شکایت کسی کی زبان پر آتا تو بقول شبلی "طرفدارانِ حکومت یہ کہہ کر اسے خاموش کرا دیتے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، ہم کو دم نہیں مارنا چاہیے۔ امنا بقدرِ خیرہ و شرہ‘‘(۷)۔

عدل و انصاف کی پامالی

اس دور میں عدل و مساوات کے اسلامی اصول بھی نظرانداز کر دیئے گئے، اگرچہ اموی دور میں مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی تھا اور عدالتیں بھی اسی قانون کے مطابق فیصلے کرتی تھیں مگر جن معاملات میں حکمرانوں کو سیاسی اسباب یا ذاتی مفاد کی بناء پر دلچسپی ہوتی تھی ان میں انصاف کرنے کے لیے عدالتیں آزاد نہ رہیں۔ شاہزادوں، گورنروں اور بادشاہوں کے حاشیہ نشینوں کے خلاف مقدمات میں عدل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ خلفاء قانون سے بالاتر سمجھے جانے لگے۔ امام صاحب کے ایک ہم عصر اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کے متعلق یافعی نے لکھا ہے کہ ’’چالیس شیوخ نے اس کے سامنے گواہی دی کہ خلفاء سے قیامت کے دن نہ حساب لیا جائے گا نہ ان کے جرائم کی ان کو سزا ملے گی‘‘(۸)۔

عدلیہ کی آزادی اس حد تک مسلوب ہو گئی کہ گورنروں کو قاضیوں کے عزل و نصب کا اختیار دے دیا گیا۔ حالانکہ خلافتِ راشدہ کے دور میں یہ اختیارات صرف خلیفہ کو حاصل تھے(۹)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور میں حق پرست علماء منصبِ قضاء قبول کرنے سے انکار کرنے لگے اور جو کسی مجبوری کی بناء پر اسے قبول کر لیتے تو انہیں سخت دباؤ کا شکار ہونا پڑتا اور بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا۔ بعض اوقات یہ مناصب حکومت کی سیاسی حمایت اور خدمات کے عوض ایسے لوگوں کو تفویض کر دیئے جاتے جو بالکل ناخواندہ اور جاہل ہوتے، اس کی ایک نمایاں مثال قاضی عابس کی تقرری کی ہے جس کے متعلق سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ ان پڑھ تھا اور لکھنا تک نہیں جانتا تھا، اس نے والی مصر کے کہنے پر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ پر بیعت یزید کے سلسلہ میں انتہائی دباؤ ڈالا تھا اور ان کے گھر کو جلانے کے لیے آگ اور لکڑی جمع کی تھیں، اس کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ جب اموی خلیفہ مروان مصر کے دورہ پر پہنچا تو قاضی عابس کو طلب کر کے اس سے پوچھا، ’’کیا تم نے قرآن یاد کر لیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں‘‘۔ مروان نے دریافت کیا: ’’کیا تم نے میراث کے مسائل کو پختہ کر لیا ہے؟‘‘ اس نے عرض کیا ’’میں اس سے ناواقف ہوں‘‘۔ مروان کو اس پر حیرت ہوئی اور اس نے کہا، (آخر تم کس چیز سے فیصلہ کرتے ہو؟) اور قاضی عابس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا(۱۰)۔

قرآن و سنت اور فرائض سے ناآشنا اور حکومت کے زیرِاثر قاضیوں کی موجودگی میں عوام کے جان و مال اور حقوق کی پامالی کی صورت حال کیا ہوگی اور عدل و انصاف کی کیا درگت بنتی ہوگی؟ اس پر مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیت المال میں ناجائز تصرفات

بیت المال جو کہ مسلمانوں کی امانت ہے اور اس میں حکمرانوں کو بے جا تصرف کا حق نہیں، اموی خلفاء کی اکثریت نے اسے ذاتی ملکیت قرار دے رکھا تھا، اس کی آمدنی اور مصارف کسی چیز میں بھی احتیاط نہ برتی جاتی تھی، جائز اور ناجائز ہر طرح سے آمدنی سے خزانہ بھرا جاتا اور اس کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیشات پر صرف ہوتا تھا، امراء و رؤساء قبائل کے علاوہ خطباء اور شعراء وغیرہ کو بڑی بڑی رقمیں حکومت کی حمایت کے لیے دی جاتیں۔ کسی کو اس معاملے میں حکومت سے احتساب کا حق نہ تھا، اس دور میں بادشاہوں، شاہزادوں، گورنروں اور سپہ سالاروں کی زندگی جس شان سے بسر ہوتی تھی وہ بیت المال میں بے جا تصرف کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ بیت المال کی آمدنیوں کا یہ حال تھا کہ اس کے بارے میں حلال و حرام کی تمیز ان کے ہاں باقی نہ رہی تھی۔

نومسلموں سے جزیہ کی وصولی:

جو غیر مسلم اسلام قبول کرتے ان پر اس بہانے سے جزیہ لگایا جاتا کہ یہ محض جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرتے ہیں حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ انہیں بیت المال کی آمدنی کم ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ حجاج بن یوسف کو جب اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمیوں کے بکثرت اسلام لانے سے جزیہ اور خراج کی آمدنی گھٹ رہی ہے تو اس نے حسبِ سابق ان پر جزیہ لگانے کا حکم دیا[۱۱]۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس خلاف اسلام طریقہ پر پابندی عائد کی اور اپنے عہدِ خلافت میں خراسان کے گورنر کے متعلق اس شکایت پر کہ وہ نومسلموں سے جزیہ وصول کرتا ہے، معزول کر دیا[۱۲]۔ اور مصر کے گورنر نے جب آپ کو لکھا کہ ذمیوں کے اسلام لانے سے جزیہ کی آمدنی کم ہو رہی ہے آپ نے لکھا: "اما بعد فانّ اللّٰہ بعث محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم داعیًا ولم یبعثہ، جابیاً فاذا اتاک کتابی ھٰذا فان کان اھل الذمّۃ اسرعوا فی الاسلام و کسر والجزیۃ فاطو کتابک واقبل"[۱۳]۔ (اما بعد! معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی اور خدا کی طرف بلانے والا بنا کر مبعوث کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے محصول (ٹیکس) وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے اور ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی جا رہی ہو تو اپنے حساب کتاب کے رجسٹر کو لپیٹ کر فوراً میرے پاس چلے آؤ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی عصبیت کا فروغ

اموی حکومت کے زوال کا ایک اہم سبب مورخین کے نزدیک "عرب عصبیت" ہے۔ اموی حکومت خالص عرب حکومت ہونے کی بناء پر غیر عرب مسلموں سے امتیازی سلوک کرتی تھی، اس حکومت میں "موالی" (عجمی نومسلموں) پر جزیہ تک لگا دیا گیا(۱۴) جس نے اشاعتِ اسلام کو کافی حد تک متاثر کیا اور عجمیوں میں یہ احساس ہوا کہ اسلامی فتوحات نے انہیں عربوں کا غلام بنا دیا ہے اور وہ اسلام قبول کر کے عربوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ کوفہ میں حجاج نے صرف عربوں کو نماز میں امام بنانے کا حکم جاری کیا اور بصرہ سے نومسلم عجمیوں کو اس اندیشہ سے شہر بدر کر دیا کہ وہ عربوں کے ساتھ رہ کر کہیں خالص عربی نہ بولنے لگیں(۱۵)۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ موالی میں سے کسی نے عرب لڑکی کے ساتھ شادی کر لی تو اموی عمال نے ان کے نکاح فسخ کروا کر ان میں تفریق کروا دی(۱۶)۔ طبری اور ابن اثیر کے نزدیک امویوں کے عجمیوں کے ساتھ اس تحقیر و تذلیل آمیز سلوک کی وجہ سے متعدد نومسلم مرتد ہوگئے۔ عجم میں "شعوبیت" (عجمی قوم پرستی) دراصل اسی غیر اسلامی رویے کا ردِعمل تھی، اس تحریک نے عربی عصبیّت کی عمارت کو متزلزل کیا، عجمیت اور عربیت کی فضیلت اور تنقیص پر باہم مناظرے، مجادلے ہوئے اور حرب و ضرب تک نوبت پہنچی، شعوبی تحریک ہی کی بدولت خراسان میں امویوں کے خلاف عباسیوں کی دعوت کو فروغ حاصل ہوا اور عجمیوں کی عربوں کے خلاف نفرت کو امویوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔ عجمیوں نے عربوں کی قوت کو کچلنے کے لیے ہر اس تحریک کا ساتھ دیا جو اموی حکومت کے خلاف اٹھی۔

قبائلی تفریق

امویوں نے اپنے سیاسی مقاصد و اغراض کے تحت خود عرب قبائل میں بھی جاہلانہ عصبیتوں کو ابھار کر ان میں تفریق پیدا کی تاکہ بوقت ضرورت ایک فریق سے دوسرے فریق کے مقابلہ میں کام لے سکیں۔ خراسان میں امویوں کی اسی پالیسی کی بناء پر یمنی اور مصری قبائل میں طویل عرصے تک کشمکش جاری رہی بالآخر اس صورت حال سے عباسی داعی ابومسلم خراسانی نے فائدہ اٹھایا اور انہیں باہم لڑا کر اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا(۱۷)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہدِ خلافت

بنو امیہ کی حکومت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد جو دو سال ۵ ماہ تک محیط ہے اور باتفاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مورخین مذکورہ خرابیوں سے مستثنیٰ ہے، انہوں نے امویوں کے مظالم کا انسداد کر کے تمام شعبہ ہائے حکومت میں اصلاح کی بھرپور کوشش کی اور خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دی، انہیں ان اقدامات کی وجہ سے جو عوامی مقبولیت و محبوبیت نصیب ہوئی اس کی بناء پر ان کے خلاف بغاوت ممکن نہ تھی اور نہ ہی بزورِ قوت ان کی حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا تھا اس لیے زہر دے کر انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔

اموی سیاست کے اثرات مذہب اور معاشرے پر

اموی حکومت کے یہ اقدامات اور پالیسیاں ان کی مخصوص سیاست کی آئینہ دار ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نگاہوں میں اصل اہمیت اپنے اقتدار کی تھی، اس کا قیام و استحکام چاہتے تھے چاہے جس ذریعہ سے بھی ہو ان کے نزدیک مستحسن تھا قطع نظر اس کے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر توڑ ڈالی جائیں۔

ان کی ظالمانہ سیاست کا یہ رخ بھی ملاحظہ ہو کہ وہ مختلف علاقوں کے والیوں اور گورنروں کے تقرر میں بالعموم قابلیت، دیانت، تقویٰ، اسلام اور خلقِ خدا سے محبت کے بجائے حکومت سے وفاداری کو مدِنظر رکھا جاتا تھا۔ بسا اوقات ایسے افراد کا تقرر حکومتی عہدوں پر کیا جاتا تھا جن کا کوئی دینی اور اخلاقی معیار نہ ہوتا، یہ لوگ حکومت سے اپنی وفاداری ثابت کرنے اور اقتدار کے استحکام کے لیے عوام کے ساتھ ہر طرح کی ناانصافی برتتے، شریعت کی حدوں کو توڑتے اور شعائرِ اسلام کی توہین کرتے، خلفاء سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر عموماً ان کی بے اعتدالیوں سے چشم پوشی کرتے۔ اموی دور کے دو ظالم گورنر حجاج بن یوسف اور خالد بن عبداللہ القسری اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ حجاج کے حالات تو تاریخ کے معلوم و معروف واقعات ہیں، اسی کا ایک جانشین خالد القسری جو ہشام کی طرف ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک کوفہ کا گورنر رہا(۱۸)۔ اس کے عہد حکومت کے متعلق ابن اثیر لکھتے ہیں: "کان الإسلام ذليلاً والحكم فيه الىٰ اهل الذّمة"(۱۹) (اہل اسلام اس زمانہ میں ذلیل تھے اور حکومت ذمیوں کے ہاتھ میں تھی) اس نے مسلمانوں کی مساجد کے میناروں کو محض اس وجہ سے منہدم کرنے کا حکم دیا تھا کہ ان پر چڑھ کر موذن لوگوں کی عورتوں کو جھانکتے ہیں۔ دوسری طرف اپنی نصرانی ماں کے نام سے ایک عظیم الشان گرجا بھی اس نے کوفہ میں تعمیر کروایا(۲۰)۔ اس کے بارے میں مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی شان میں اپنے آقاؤں (بنی امیہ) کو خوش کرنے کے لیے بدزبانی کا مرتکب ہوتا تھا(۲۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ائمہ اہلبیت کا خروج اور ان کا انجام

اموی حکومت کی ان بے اعتدالیوں کے خلاف عوام میں اضطراب اور شورش کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، عوام کی نگاہیں اہلبیت کی طرف اٹھ رہی تھیں کیونکہ حق کی حمایت اور باطل کے ساتھ تصادم اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے، اگرچہ واقعہ کربلا نے اہلبیت کو اتنا دل شکستہ بنا دیا تھا کہ ان پر گوشہ نشینی غالب آ چکی تھی اور وہ بالعموم سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے مگر اموی حکومت کے مظالم، اس کے خلاف شرع اقدامات اور عوام کے شدید اصرار نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں چنانچہ ۱۲۲ھ میں ہشام کے عہد حکومت میں سب سے پہلے حضرت زید بن علی نے خروج کیا جو امام حسینؓ کے پوتے ممتاز عالم، فقیہ اور متقی شخصیت تھے۔ ہشام نے خالد القسری کے خلاف تحقیقات کے سلسلے میں حضرت زید کو کوفہ طلب کیا (جو کہ شیعانِ علی کا گڑھ تھا) وہاں کے مظلوم عوام نے آپ کو نجات دہندہ سمجھ کر آپ کے ہاتھ پر حکومت کے خلاف بیعت کر دی اور یقین دہانی کرائی کہ صرف کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ابھی آپ خروج کی تیاریوں میں مشغول تھے کہ حکومت کو آپ کی سرگرمیوں کی اطلاع پہنچی چنانچہ حکومتی اقدام سے پیشتر ہی آپ نے بغیر کسی منصوبہ بندی کے قبل از وقت خروج کر دیا۔ تصادم کے موقع پر کوفہ والے ساتھ چھوڑ گئے صرف ۲۱۸ افراد نے ان کا ساتھ دیا۔ بالآخر مقابلہ میں شہید ہوگئے[۲۲]۔ ۱۲۵ھ میں ان کے صاحبزادے یحییٰ خراسان میں آپ کے جانشین ہوئے اور شہید کر دیئے گئے پھر ۱۳۰ھ میں عبداللہ بن یحییٰ اٹھے اور یمن میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی فوج سے لڑے اور شہادت پائی[۲۳]۔

اہلبیت کے ساتھ امویوں کا بغض و عناد

اموی اہلبیت کو خلافت میں اپنا حریف سمجھتے اور ان سے بڑا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ امویوں کو ان سے اس حد تک بغض و عناد تھا کہ موفق مکی کے بقول ان کے ہاں حضرت علیؓ کا نام تک لینے کی اجازت نہ تھی اور مشائخ اور علماء کا اس زمانے میں دستور تھا کہ حضرت علیؓ کا ذکر کرتے تو یوں کہتے "قال الشیخ کذا" (شیخ نے یوں کہا ہے) اور مراد "شیخ" سے حضرت علیؓ کی ذات ہوتی۔ حسن بصریؒ کا بھی قاعدہ تھا کہ بجائے "علیؓ" کے کہتے کہ "ابوزینب" کا یہ قول ہے۔ نیز فرماتے ہیں: "من کان یذکرہ' باسمہٖ یعاقبہ' بنو مروان"[۲۴] حضرت علیؓ کا جو شخص نام لیتا بنی مروان اسے سزا دیتے۔ اموی گورنر خالد کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی مذمت میں مبالغہ سے کام لیتا تھا[۲۵]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اموی خلافت کا خاتمہ اور عباسی خلافت کا قیام

عباسیوں نے اس دور کی سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے حامیوں کے ذریعہ مختلف علاقوں میں بنی امیہ کے خلاف بغاوت کا بیج بویا، بالآخر ۱۳۲ھ میں اموی اقتدار کا خاتمہ کر کے تختِ خلافت پر متمکن ہوگئے۔ ان کی کامیابی میں موالی یا عجمیوں کی حمایت کو کافی دخل تھا جو بنی امیہ کے امتیازی سلوک سے سخت نالاں تھے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی جس قسم کے نظامِ حکومت سے آگاہ تھے وہ موروثی تھا۔ ہزاروں سال سے عراق و ایران پر موروثی بادشاہ قابض ہوتے چلے آئے تھے، وہ کسی جمہوری نظام کے خوگر نہ تھے، ان کا خیال بلکہ عقیدہ تھا کہ ان کے بادشاہوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی بیٹی یا چچا کی اولاد کو تخت کا وارث ہونا چاہیے۔ یہ عقیدہ بھی عجمیوں کو بنو عباس یا اہلبیت سے قریب لانے اور ان کی تائید و حمایت پر اُکسانے کا محرک بنا۔

عباسیوں کے مظالم

بنو عباس نے اقتدار سنبھالتے ہی مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا کہ ہم خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق حکومت کریں گے جیسا کہ پہلے عباسی خلیفہ سفاح کے خطبہ خلافت سے واضح ہے جسے مورخین نے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے(۲۶)، لیکن اپنے دعووں کے برعکس بنو امیہ سے انتقام لینے، بغاوتوں کو کچلنے اور مختلف علاقوں کے فتح کرنے کے دوران جو مظالم انہوں نے ڈھائے وہ مشہور و معروف ہیں اور تاریخ کے صفحات ان کے گواہ ہیں(۲۷)۔ علماء کی ایک جماعت نے ان کی حمایت اس وعدے پر کی تھی کہ وہ اقتدار حاصل کر کے کتاب و سنت کے مطابق حدود اللہ قائم کریں گے مگر کامیابی کے بعد جب ان سے اس کا مطالبہ کیا گیا اور ان کے غیر شرعی کاموں پر تنقید کی گئی تو انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ خراسان کے مشہور فقیہ ابراہیم بن میمون الصائغ جو عباسی تحریک کے روحِ رواں ابو مسلم خراسانی کے دستِ راست تھے بعد میں اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے(۲۸)۔

علویوں کے ساتھ عباسیوں کا سلوک

بنو عباس اگرچہ عم رسولؐ کی اولاد تھے لیکن فاطمی و علوی اہلِ بیت کے مقابلے میں تو ان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہ تھی، علوی اہلبیت عوام کی عقیدت و محبت کا مرجع تھے اور اس حقیقت سے بنو عباس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی واقف تھے اس لیے اقتدار سنبھالتے ہی انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ علوی سادات خود میدان میں آنے پر مجبور ہو جائیں تاکہ ان کو قتل کر کے اطمینان سے اقتدار کے مزے لوٹ سکیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ علوی سادات مدت سے اپنے کو مستحق خلافت گردانتے تھے تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی، منصور نے محض بدگمانی پر ان کی بیخ کنی کی ورنہ ان کی طرف سے کوئی باغیانہ یا مخالفانہ سرگرمی ظاہر نہیں ہوئی تھی، کسی بھی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے از خود بغاوت کی تھی سب تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں مجبوراً میدانِ جنگ میں آنا پڑا جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان پر عباسیوں نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی روپوشی کے ایام میں منصور نے ان کے پورے خاندان کو بیڑیاں اور زنجیریں پہنا کر جیلوں میں ڈال دیا اور بڑے مظالم ڈھائے، ان کی جائیدادیں ضبط کر کے نیلام کر دیں، محمد بن ابراہیم زندہ دیوار میں چنوا دیئے گئے، ابراہیم بن عبداللہ کے خسر کو ننگا کر کے ڈیڑھ سو کوڑے لگائے پھر قتل کر کے ان کا سر خراسان میں گشت کرایا گیا(۲۹)۔

محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کا خروج

آخر تنگ آ کر ان مظلوم سادات میں سے محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے عباسی حکومت کے مقابلہ میں خروج کیا۔ نفس ذکیہ کے خروج کا مرکز مدینہ تھا۔ بڑے بڑے ائمہ نے ان کی تائید و حمایت کی حتیٰ کہ امام مالکؒ نے بھی ان کے حق میں فتویٰ جاری کیا کہ منصور نے بیعتِ خلافت جبراً لی ہے جب کہ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ بالآخر مدینہ میں عباسی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں تین دن تک مدینہ میں برسرعام لٹکائی گئیں اور ان کے سر کاٹ کر شہر بشہر پھرائے گئے(۳۰)۔ ان کے بھائی ابراہیم کی جدوجہد کا مرکز بصرہ تھا، ان کے نمائندے مختلف شہروں میں منتشر ہوکر لوگوں سے مخفی طور پر ان کے حق میں بیعت لیتے رہے، حتیٰ کہ مورخین کے بقول صرف کوفہ شہر میں کم و بیش ایک لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار تھے(۳۱)۔ یہ عباسیوں کے خلاف سب سے بڑی انقلابی تحریک تھی جس نے منصور کے ہوش و حواس گم کر دیئے تھے مگر تقدیری حالات نے ان کو شکست سے دوچار کر دیا اور ۱۴۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کا سر بھی کاٹ کر منصور کے پاس بطور تحفہ پیش کیا گیا(۳۲)۔ عباسیوں نے اس بغاوت کو کچلنے کے بعد ان کے حامیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، بڑے بڑے علماء و فقہاء کو ان کی حمایت کی پاداش میں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ امام مالکؒ کو نفس ذکیہ کی حمایت میں کوڑے کھانے پڑے اور امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم کی حمایت میں جامِ شہادت نوش کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورتِ حال سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عباسیوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے امویوں کی طرح ظلم و تشدد کی پالیسی اپنائی اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود پھلانگنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

عباسی حکومت اموی حکومت کے نقشِ قدم پر

عباسی حکومت اس دعویٰ پر قائم ہوئی تھی کہ وہ سابقہ دور کی خرابیوں کی اصلاح کرے گی اور نظامِ حکومت کتاب و سنت کے مطابق چلائے گی مگر اس دور کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ظلم و استبداد میں اپنے پیشرووں سے بھی سبقت لے گئی، بیت المال بدستور حکمرانوں کی ذاتی ملکیت بنا رہا، عدلیہ اسی طرح انتظامیہ کے زیرِ اثر رہی، سیاسی اغراض کے لیے نسلی قبائلی اور وطنی عصبیتوں کے بیج بوئے جاتے رہے، جبر و تشدد کے ذریعہ علماء و صلحاء کو حکومت کی حمایت کے لیے مجبور کیا جاتا رہا، طرزِ حکومت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی اور نظام میں اصلاح کے دعویدار اموی دورِ حکومت کی کسی ایک خرابی کو بھی دور نہ کر سکے۔

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی خدمات

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی زندگی کے باون سال اموی خلافت اور اٹھارہ برس عباسی دور میں بسر کیے، خلفاء کی ظالمانہ سیاست و حکومت، شریعت سے انحراف، مالی بدعنوانیاں، اہلبیت پر مظالم، یہ سب حالات و واقعات آپ کی نگاہوں سے گزرے، اس صورت حال سے امام صاحب کا متاثر ہونا یقینی تھا، اس لیے آپ اپنے دور کی سیاسی صورت حال سے الگ نہ رہ سکے۔ آپ نے سیاست میں مثبت رول ادا کیا اور اس کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا لی۔

امام صاحب ایک حساس دل و دماغ کے مالک تھے، امت کا درد اور حکمرانوں کے مظالم انہیں بے چین و مضطرب رکھتے تھے وہ ان مظلوموں کے تذکرہ پر خوب روتے تھے جو راہ حق میں حکمرانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے(۴۳)۔

عبداللہ بن مبارک کے بقول ابراہیم الصائغ کی شہادت پر تو آپ اس قدر روئے کہ یہ خیال ہونے لگا کہ عنقریب آپ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے(۴۴)۔ اپنی نجی مجلسوں میں اور قریبی احباب سے اس موضوع پر گفتگو کرتے تو قلبی اضطراب آنکھوں سے ابل پڑتا۔ ایک موقع پر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کوفہ کے مشہور بزرگ ابن المعتمر سے راز و نیاز میں مشغول ہیں اور وقفہ وقفہ سے روتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں اور پھر باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گفتگو ختم ہونے کے بعد آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ کا جواب یہ تھا۔ "ذکرنا الزمان و غلبة اهل الباطل علیٰ اهل الخیر فکثر ذالک بکاء نا"(۴۵)۔ (ہم زمانے کا حالات اور اہل حق پر اہل باطل کا تذکرہ کر رہے تھے، جس سے ہم پر گریہ طاری ہوگیا)۔ اس سے امام صاحب کی اندرونی کیفیات اور عمیق تاثرات کا اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی ساری زندگی کے واقعات کی توجیہ ان کے قلب کی ان ہی کیفیات سے ہوسکتی ہے۔

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے امام صاحب کی سیاست کو حضرت زید، محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کی حمایت تک محدود سمجھا ہے مگر آپ کی سوانح کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی جدوجہد کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ آپ کی سیاست کا محور و مرکز ملک و ملت کی اصلاح اور خلافت راشدہ کے طرز پر نظامِ حکومت کا قیام تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے وقت کے موجودہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا، حکمرانوں کی ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا۔ اسلامی نظامِ حکومت سے متعلق اپنے نظریات واضح کیے اور ان تحریکوں کی بھی خفیہ و اعلانیہ حمایت و امداد کی جو اس مقصد کے لیے مختلف اوقات میں میدانِ عمل میں آئیں۔

حکومتی نظام اور پالیسیوں پر امام صاحب کی تنقید

امام صاحب کی سیاست کا ایک رخ ظلم و ناانصافی پر مبنی نظام اور حکومتی پالیسیوں پر تنقیدو احتجاج کا ہے، اس طرز عمل سے آپ کا مقصد حکمرانوں کو اصلاح احوال کی طرف متوجہ کرنا اور ان پر واضح کرنا تھا کہ وہ اپنے ظالمانہ اور غیر شرعی اعمال و اطوار کی بناء پر خلافت کا استحقاق کھو بیٹھے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ عوام بھی حکومت اور اس کے نظام کے خلاف سرگرم ہو جائیں۔ ایک ایسے دور میں جس میں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو قوت اور طاقت کے ذریعہ کچلا جا رہا ہو، قید و بند، قتل اور کوڑوں کی سزائیں دی جاتی ہوں۔ امام صاحب کا ہر قسم کے خوف اور خطرے سے بے نیاز ہوکر حکمرانوں اور ان کی پالیسیوں پر تنقید کرنا بلاشبہ ان کی ایمانی جرأت کا آئینہ دار ہے۔ اگر آپ حکومت کی کوتاہیوں سے اغماض برتتے اور سکوت اختیار کر لیتے تو یقیناً اس سے اس باطل نظام کو تقویت پہنچتی جس کا مٹانا آپ کے دینی فرائض میں شامل اور آپ کی سیاسی جدوجہد کا بنیادی ہدف تھا۔ آپ نے ایک ایسے دور میں خاموش زبانوں کو تحریک دی جب کہ ایک سازش کے تحت ایسے عقائد کو ترویج دی جا رہی تھی جن کی رو سے حکمرانوں کو ان کے ظلم و زیادتی پر ٹوکنا از روئے شرع ناجائز تھا۔ ابوبکر الجصاص "حشویہ" کے عقائد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ان لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ ظلم و جور اور بے گناہوں کے قتل وغیرہ افعال کا صدور اگر بادشاہِ وقت سے ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کرنا شرعاً صحیح نہیں ہاں بادشاہوں کے علاوہ عوام کو ٹوکنا درست ہے اور وہ بھی صرف زبان کی حد تک، ہتھیار تو بہرحال کسی کے مقابلہ میں اٹھانا شرعاً جائز نہیں''(۳۶)۔

امام صاحب نے اس کے برخلاف یہ موقف اختیار کیا کہ جائز امامت اور عادل حکومت کے خلاف بھی اگر کوئی شخص زبان کھولے اور حاکمِ وقت کو گالیاں دے یا اسے قتل تک کرنے کا خیال ظاہر کرے تو اسے قید کرنا اور سزا دینا جائز نہیں تاوقتیکہ وہ مسلح بغاوت یا بدامنی برپا کرنے کا عزم نہ کرے، وہ اپنے اس موقف پر حضرت علیؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کے زمانہ خلافت میں پانچ آدمی اس الزام میں گرفتار کر کے لائے گئے کہ وہ امیر المومنین کو کوفہ میں اعلانیہ گالیاں دے رہے تھے اور ان میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔ حضرت علیؓ نے انہیں رہا کرنے کا حکم دیا جب انہیں یہ بتایا گیا کہ یہ تو آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ محض یہ ارادہ ظاہر کرنے پر میں اسے قتل کر دوں؟ اور جب کہا گیا کہ یہ آپ کو گالیاں دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تم چاہو تو تم بھی انہیں گالیاں دے سکتے ہو''(۳۷)۔

امام صاحب کے اس نقطہ نظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حکومت پر تنقید اور احتساب کے معاملے میں کس قدر وسعت اور آزادی کے قائل تھے۔ آپ خود بھی موقعہ بموقعہ اس پر عمل کرتے رہے بالخصوص اس دور میں جب کہ ابراہیم نے عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کی تو آپ کے شاگرد امام زفر کی شہادت ہے کہ آپ بڑے زور و شور سے کھلم کھلا حکومت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے حتیٰ کہ ایک دن امام صاحب سے ہم نے عرض کیا: "ما انت بمُنتهٍ حتیٰ توضع الحبال فی اعناقنا"(۳۸)۔ (جب تک ہماری گردنوں میں پھانسی کی رسیاں نہ ڈال دی جائیں آپ باز نہ آئیں گے)۔

حکومتی مظالم پر تنقید اور حکمرانوں کے ظلم و جبر سے عوام کا تحفظ

امام صاحب کو جب بھی موقع ملا ظالم حکمرانوں کے منہ پر حق بات کہہ کر ''افضل الجہاد'' میں حصہ لیا۔ بعض اوقات حکمران اپنی پالیسیوں کے دفاع میں شریعت کا بھی سہارا لیتے لیکن امام صاحب کی مدلل تنقید کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑتے۔ اس سلسلے کی ایک مثال اہل موصل کی بغاوت کا واقعہ ہے جنہوں نے منصور سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ آئندہ بغاوت نہیں کریں گے اور عہد شکنی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں ان کا قتل اس کے لیے جائز ہوگا۔ اقدام سے پہلے اس نے فقہاء کی تائید حاصل کرنے کے لیے انہیں جمع کیا، امام ابو حنیفہؒ بھی تشریف فرما تھے اس نے اہل موصل کے ''مباح الدم'' ہونے کے لیے حدیث المومنون علی شروطهم[۳۹] (مومنین اپنی شرائط کے پابند ہیں) کا سہارا لیا اور فقہاء سے اس مسئلہ پر رائے طلب کی۔ دوسرے باہمی معاہدہ کی بنیاد پر یہ رائے دی کہ وہ آپ کی رعیت ہیں اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو یہ آپ کی شان کے مطابق ہے، اگر سزا دیں تو اپنے جرم کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہیں۔ امام صاحب کا موقف مختلف تھا آپ نے فرمایا۔ اہلِ موصل نے آپ کے لیے وہ چیز مباح کی (یعنی ان کا قتل) تو انہیں اس کا حق حاصل نہیں اور آپ نے جو شرط ٹھہرائی وہ آپ کے حدود اختیار میں نہیں۔ آپ نے اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کوئی عورت اپنے آپ کو منکوحہ یا لونڈی ہوئے بغیر اپنے جسم کو کسی شخص کے لیے مباح کر دے تو کیا اس سے مجامعت درست ہوگی؟ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ مجھے قتل کر دو تو کیا اس کا قتل اس شخص کے لیے مباح ہو جائے گا''؟ منصور نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''تو آپ اہل موصل سے ہاتھ روک لیجئے ان کا خون بہانا آپ کے لیے جائز نہیں''۔ امام صاحب کی جرأت اور حق گوئی سے منصور بدحواس ہوگیا اور اسی وقت مجلس برخاست کرنے کا حکم دیا۔ پھر خلوت میں آپ کو بلا کر کہنے لگا کہ فتویٰ وہی درست ہے جو آپ کا ہے اپنے وطن تشریف لے جایئے اور ایسا فتویٰ نہ دیجئے جس سے خلیفہ کی مذمت اور باغیوں کی ہمت افزائی کا پہلو نکلتا ہو''[۴۰]۔

اس واقعہ سے جہاں امام صاحب کی جرأت و حق گوئی عیاں ہے وہاں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عوام کے حقوق کے تحفظ اور ظلم و ناانصافی کے انسداد کے لیے کس حد تک کوشاں رہتے تھے۔ اسی طرح کوفہ پر تسلط حاصل کرنے والے خارجی سردار ''ضحاک'' کے ساتھ مدلّل بحث کر کے آپ نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے جاری کردہ اس فرمان کو منسوخ کر دے جس کی رو سے اس نے کوفہ والوں کے قتل عام اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنانے کی ہدایت کی تھی، اسی بناء پر ابو معاذ البلخی کہا کرتے تھے۔ ''اهلُ الكوفة كلّهم موالى ابو حنيفة لانّهٗ مسببُ عتقهم''[۴۱]۔ سب اہل کوفہ امام ابو حنیفہؒ کے آزاد کردہ غلام ہیں کیونکہ وہی ان کی آزادی کا سبب تھے۔ (امام صاحب کی خارجی سردار سے بحث کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔

بیت المال میں ناجائز تصرفات پر احتجاج

اموی اور عباسی حکمرانوں نے بیت المال کے آمد و خرچ میں شریعت کے اصولوں کو جس برے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے سے پامال کیا اس کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ امام صاحب اس معاملے میں بھی حکمرانوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے تھے، ان کے بے جا مصارف اور عطیات پر معترض ہوتے اور خود بھی ان عطیّوں سے گریز کرتے جو آپ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے تھے۔ خلیفہ منصور نے ایک موقع پر آپ کے پاس تیس ہزار درہم بھیجے آپ نے لینے سے انکار کر دیا، آپ سے کہا گیا "تصدق بھا" (انہیں لے کر خیرات کر دیجئے) امام صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا: "وعندھم شیء حلال؟ وعندھم شیء حلال؟"[۴۲] (کیا ان کے پاس کوئی حلال مال بھی ہے) آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے کسی ایسے ہی موقع پر آپ سے ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے بیت المال کے مصارف کی بے ضابطگیوں کی طرف بڑے عمدہ انداز میں اسے متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ما وصلنی امیر المومنین من مالہ بشیءٍ فرددتہ ولو وصلنی بذالک لقبلتہ انّما وصلنی امیر المومنین من بیت مال المسلمین ولا حق لی فی بیت مالھم انی لست ممن یقاتل من ورائھم فاٰخذ ما یأخذ المقاتل ولست ومن ولدانھم فاٰخذ ما یأخذالو ولوان ولست من فقرائھم فاٰخذ مایأ خذالفقراء"[۴۳].
>
> "امیر المومنین نے اپنے ذاتی مال میں سے کبھی کوئی چیز مجھے عطا نہیں کی جسے میں نے واپس کیا ہو، مگر آپ تو مسلمانوں کے بیت المال میں سے مجھے دیتے ہیں حالانکہ ان کے مال میں میرا کوئی حق نہیں، نہ میں مسلمانوں کے دفاع کے لیے لڑنے والا ہوں کہ جس طرح فوجیوں کا بیت المال پر حق ہے مجھے بھی یہ حق ملتا نہ میں فوجیوں کی اولاد میں سے ہوں کہ اس میں سے حصہ پاؤں اور نہ نادار اور مفلس لوگوں میں سے ہوں کہ فقراء کی مد میں سے لینے کا استحقاق رکھوں"۔

امام صاحب نے اپنے لیے بغداد کے اس حصہ زمین میں دفن نہ کرنے کی وصیت فرمائی تھی جسے شہر بسانے کے لیے منصور نے مالکوں سے زبردستی چھین لیا تھا، یہ حکومت کی بے ضابطگیوں کے خلاف آپ کا آخری اور زبردست احتجاج تھا اسی لیے منصور کو جب اس وصیت کی خبر پہنچی تو بے اختیار پکار اٹھا: "من یعذرنی منک حیّا و میّتا"[۴۴]۔ (ابو حنیفہؒ! زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تیری پکڑ سے مجھے کون بچا سکتا ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی معاملات میں تغافل پر حکمرانوں کو روک ٹوک

امام صاحب دینی معاملات میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی برداشت نہ کرتے تھے اور نتائج سے بے پرواہ ہوکر حکمرانوں کو برملا ٹوکتے تھے۔ کوفہ کا ظالم گورنر خالد ایک موقع پر خطبہ جمعہ میں حکومتی مراسلات پڑھنے میں اتنا مشغول ہوا کہ عصر کی نماز کا وقت داخل ہونے لگا، ساری مسجد خاموش تھی کسی کو بولنے کی ہمت نہ تھی۔ اچانک امام صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا: "الصّلوٰة الصّلوٰة، خرج الوقت ودخل وقت آخر"۔ (نماز جمعہ کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت داخل ہوگیا)۔ اور ایک روایت میں ہے آپ نے کنکریاں ہاتھ میں لے کر منبر کی طرف پھینکنا شروع کیں۔ گورنر نے گرفتاری کا حکم دیا اور اس حرکت کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا: "انّ الصّلوٰة لاتنتظر احدًا قال فی کتاب الله تعالیٰ وانت احق من اتبعه' اضاعوا الصّلوٰة واتبعوا الشّهوات"(۴۵)۔ (نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے اور تم زیادہ مستحق ہو کہ قرآن کی پیروی کرو۔ "اضاعوا الصّلوٰة واتبعواالشهوات"۔

امام صاحب کی خوش قسمتی کہ خالد نے آپ سے قسم اٹھوا کر یقین دہانی کروائی کہ نماز کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس کا محرک نہ تھی تب آپ کو رہائی ملی(۴۶)۔

عدلیہ پر تنقید اور اس کی اصلاح کے لیے آپ کی مساعی

امام صاحب کے دور میں عدلیہ بہت سے مسائل کا شکار تھی ایک طرف انتظامیہ کے زیر اثر ہونے کی بناء پر اس کی آزادی مسلوب ہو چکی تھی اور خلفاء اپنے اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنے کے لیے قاضیوں کو مجبور کرتے تھے کہ فیصلوں میں وہ ان کے رجحانات و خواہشات کو مدنظر رکھیں۔ اس عہد میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء عباسیہ نے اپنے مخالف علویوں اور دوسرے لوگوں سے پہلے امن و امان کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد قاضیوں کے فتووں کی آڑ لے کر اپنے وعدوں کی صریح خلاف ورزی کی اسی لیے علماء متقین منصب قضاء سے گریز کرنے لگے(۴۷)۔ دوسری طرف کوئی مدون قانون نہ ہونے کی وجہ سے عدالتی نظام بھی ابتری کا شکار تھا، عوام میں قاضیوں کے مختلف ، متضاد اور غلط فیصلوں کی وجہ سے اضطراب پیدا ہو رہا تھا جس کی طرف المقفع نے خلیفہ منصور کو ایک خط میں بھی متوجہ کیا تھا(۴۸)۔ امام صاحب کو بھی خریدنے کے لیے اموی اور عباسی حکومتوں میں قضاء کا منصب پیش کیا گیا حتیٰ کہ منصور نے تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ بنانے کی پیشکش کی مگر آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لا یصلح للقضاء الاّ رجل یکون لہٗ نفس یحکم بھا علیک وعلیٰ ولدک وقوادک ولیس تلک النفس لی انک لتدعونی فھی ترجع الیٰ نفسی حتی افارقک"(۴۹)۔

(قضاء کے لیے وہ شخص موزوں ہو سکتا ہے جو آپ کے خلاف فیصلہ کرنے کی ہمت و جرأت اپنے اندر رکھتا ہو نیز شاہزادوں اور فوجی افسروں کے خلاف بھی فیصلہ صادر کر سکتا ہو اور میرا حال تو یہ ہے کہ جس وقت آپ مجھے بلاتے ہیں تو دربار سے واپس نکل کر ہی میری جان میں جان آتی ہے)۔

امام صاحب کا یہ جواب دراصل ایک مطلق العنان اور جابر حکومت کے خلاف کھلم کھلا عدم اعتماد ہے۔

امام صاحب کی سیاست کا ایک پہلو عدالتوں کے بعض خلاف ضابطہ و قانون فیصلوں پر برسرعام تنقید بھی تھی جس کی وجہ سے قاضی ان سے عموماً ناراض رہتے اور ان کے خلاف امراء سے شکایت بھی کرتے، اسی قسم کی ایک شکایت پر ایک دفعہ امام صاحب فتویٰ دینے سے روک دیئے گئے اور کچھ دنوں بعد پھر افتاء کی اجازت دے دی گئی(۵۰)۔ کوفہ کے مشہور قاضی ابن ابی لیلیٰ نے ایک پاگل عورت کو مسجد میں کھڑا کر کے دو مرتبہ حد لگانے کا فیصلہ سنایا کیوں کہ اس نے ایک شخص کو زانی والدین کا بیٹا کہہ دیا تھا تو امام صاحب نے اس فیصلے میں برسر عام چھ غلطیاں نکالیں(۵۱)۔

مصری محقق ابوزہرہ کے نزدیک امام صاحب کا یہ انداز تنقید انتظامی پہلو سے مناسب نہ تھا اس طرح عدالتی فیصلوں کا احترام اٹھنے کا اندیشہ تھا، مناسب یہ تھا کہ علانیہ تنقید کی بجائے چپکے سے غلطی واضح کی جاتی تاکہ حکومتی نظم و نسق میں خرابی پیدا نہ ہو، فیصلوں کا احترام بھی رہے اور عوام فیصلوں پر بے اطمینانی کا اظہار نہ کرنے لگیں(۵۲)۔ یہ اندازِ فکر امام صاحب کے سیاسی لائحہ عمل پر نگاہ نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ امام صاحب کی حکمت عملی پر نظر ڈالی جائے تو آپ اس روّیے میں حق بجانب نظر آئیں گے۔

امام صاحب نے اپنے طرز عمل سے ایک طرف یہ احساس پیدا کیا کہ عدلیہ کو ہر قسم کی مداخلت سے نہ صرف آزاد ہونا چاہیے بلکہ اسے خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ دینے میں بھی کوئی تردد نہ ہونا چاہیے تو دوسری طرف عدالتی نظام اور اس کے فیصلوں پر تنقید کر کے حکومت اور عوام کی توجہ اس کے نقائص کی طرف بھی مبذول کرانے کی کوشش کی تاکہ وہ اصلاح کی طرف متوجہ ہوں(۵۳) اور ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدوّن قانون کی ضرورت کا ادراک کر سکیں۔ امام صاحب اس معاملے میں اگر خاموشی اور مروّت سے کام لیتے تو اس نظام میں تبدیلی لانا ممکن نہ ہوتا، آپ نے موجودہ نظام پر عدم اعتماد کے ساتھ ساتھ اس کی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ کی۔ آپ نے عدالتی فیصلوں کو انتشار سے بچانے کے لیے ایک طرف قانون کو مدون کیا تو دوسری طرف ایسے افراد تیار کیے جو قضا کی اہلیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ قانون کی برتری کو برقرار رکھ سکتے تھے اور علم و فضل، تقویٰ و طہارت، جرأت ایمانی اور معاملہ فہمی میں بھی بے نظیر تھے۔

نظامِ حکومت سے متعلق امام صاحب کا موقف

خلافت و حکومت سے متعلق امام صاحب کے نظریات مدوّن شکل میں موجود نہیں اور نہ ہی اس موضوع سے متعلق تفصیلات آپ کے قریبی تلامذہ سے منقول ہیں البتہ ان واقعات سے جو آپ کے تذکرہ نگاروں نے نقل کیے ہیں، کسی قدر آپ کے سیاسی نظریات پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس کے علاوہ بعض حنفی کتب فقہ میں بھی آپ کی طرف منسوب کچھ مواد دستیاب ہے جس سے اس موضوع کے بعض پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً خلیفہ مسلمانوں کے مشورہ ہی سے منتخب ہو سکتا ہے۔

منصور کی خلافت کے غیر شرعی ہونے کا فتویٰ

امام صاحب کے نزدیک خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورے سے ہی طے ہو سکتی ہے۔ وہ شخص خلیفہ کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا جو زبردستی اقتدار پر قابض ہو یا دباؤ کے تحت بیعت لے چاہے لوگ اس کی خلافت پر بالآخر راضی ہی کیوں نہ ہو جائیں، اس موقف کا اظہار آپ نے اس موقع پر کیا جب آپ سے منصور نے اپنی خلافت کے متعلق رائے طلب کی کہ کیا ہم واقعی اس کے اہل ہیں یا نہیں؟ تو امام صاحب کا دوٹوک جواب یہ تھا کہ "آپ نے خلافت کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی ہے جب کہ فتویٰ کی اہلیت رکھنے والے دو آدمی بھی آپ کی خلافت پر متفق نہیں ہوئے حالانکہ خلافت ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کا اجتماع ہی طے کر سکتا ہے اور انہی کے مشورہ سے خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ کی مثال آپ کے سامنے ہے چھ ماہ حکومت کرنے سے انہوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا جب تک یمن کے مسلمانوں کی بیعت کی خبر ان تک نہ پہنچی (۵۴)۔

آپ نے منصور کی خلافت کو بالفاظ دیگر اس بناء پر غیر شرعی اور غیر آئینی قرار دیا کہ اس کا قیام مسلمانوں کے اجتماع اور مشورے سے عمل میں نہیں آیا تھا (۵۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استحقاقِ خلافت کی شرائط

استحقاقِ خلافت کی وہ شرائط جو ابتداء ہی سے اہلِ علم و سیاست کے ہاں متفق علیہ چلی آ رہی ہیں امام صاحب نے ان سے تعرض نہیں کیا البتہ اس موضوع سے متعلق اس دور کے اختلافی مباحث کے بارے میں آپ کے نقطہ نظر کی وضاحت آپ کی بعض آراء اور واقعات سے ہوتی ہے۔ مثلاً شرط عدالت، شرط قرشیت اور شرط فاطمیت وغیرہ۔

ا۔ شرطِ عدالت، ظالم اور فاسق کی حکمرانی کے متعلق آپ کا نقطہ نظر

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جو امام صاحب کے زمانہ میں اہلِ علم کے ہاں زیرِ بحث تھا کہ ظالم و فاسق کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان کے خلاف خروج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟(۵۶) امام صاحب کے نزدیک خلیفہ کا عادل ہونا ضروری ہے، ظالم اور فاسق آدمی نہ خلیفہ بن سکتا ہے نہ قاضی نہ مفتی، نہ حاکم اور نہ گواہ۔ البتہ اگر کوئی زبردستی اقتدار پر قابض ہو جائے تو اس کے جو احکامات شریعت کے مطابق ہوں گے وہ نافذ العمل ہوں گے اور مسلمان بھی اس کے ماتحت اجتماعی زندگی کے جو امور سرانجام دیں گے (مثلاً حج، جہاد، جمعہ و جماعت، عدالتوں کے عادلانہ فیصلے وغیرہ) وہ درست ہوں گے۔ ابوبکر الجصاص اسی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے آیت کریمہ "لاینال عهدی الظالمین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملات میں جن لوگوں کو مقتداء ہونے کا منصب حاصل ہو ان کا عادل اور صالح ہونا شرط ہے--- اور اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص خود اپنے آپ کو اس منصب پر قائم کر لے جب کہ وہ فاسق ہو تو لوگوں پر اس کی اتباع اور اطاعت لازم نہیں''(۵۷)۔ جصاص امام ابو حنیفہؒ پر عائد کیے جانے والے اس الزام کی تردید کرتے ہیں کہ وہ فاسق کی امامت کو جائز سمجھتے تھے، امام صاحب کی طرف اس کی نسبت غلط فہمی کی بناء پر ہوئی ہے اور یہ کہ امام صاحب اور دیگر فقہاء عراق کے نزدیک ظالم حکمرانوں کے مقرر کردہ عادل قاضیوں کے فیصلے جائز اور فاسق ائمہ کے پیچھے نمازیں جائز ہیں مگر اس سے یہ استدلال درست نہیں کہ امام صاحب فاسق کی امامت کو جائز ٹھہراتے تھے(۵۸)۔

مولانا مودودی کے نزدیک امام صاحب نے دو انتہا پسندانہ نظریات کے درمیان ایک نہایت متوازن نقطہ نظر پیش کیا ہے ایک تو آپ خوارج اور معتزلہ کے برعکس بالحق (Dejure) اور بالفعل (Defacto) میں فرق کرتے ہیں کیونکہ خوارج اور معتزلہ کے مسلک کی رو سے اگر امام عادل، صالح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی امام بالحق موجود نہ ہو تو مسلم معاشرے اور ریاست کا پورا نظام معطل ہو جائے--- امام صاحب اس غلطی کی اصلاح یوں کرتے ہیں کہ بالحق امام اگر میسر نہ ہو تو بالفعل جو بھی مسلمانوں کا امام ہو اس کے ماتحت مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی کا نظام جائز طور پر چلتا رہے گا خواہ بجائے خود اس امام کی امامت جائز نہ ہو۔

معتزلہ اور خوارج کی اس انتہا پسندی کے مقابلہ میں دوسری انتہا مرجئہ اور بعض اہل سنت (حشویہ الحدیث) نے اختیار کی تھی جنہوں نے فاسق کی بالفعل امامت کو (چاہے اس کا قیام جبراً ہی کیوں نہ ہو) اس انداز سے جائز ٹھہرایا تھا گویا وہی بالحق بھی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلمان ظالم و جابر اور بدکردار فرمانرواؤں کی حکومت پر مطمئن ہوکر بیٹھ جائیں اور اسے بدلنے کی کوشش تو درکنار اس کی فکر تک چھوڑ دیں، امام ابوحنیفہؒ نے اس غلط خیال کی اصلاح کے لیے پورے زور سے اس حقیقت کا اعلان و اظہار کیا کہ ایسے لوگوں کی امامت قطعاً باطل ہے[۵۹]۔

ظالم حکومت کے خلاف خروج اور باطل کے مقابلہ کی شرائط

ظالم حکومت کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کن حالات میں اور کن شرائط کے ساتھ؟ امام صاحب جمہور اہلِ سنت کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ فاسق حکمران کے خلاف بغاوت کرنا اور طاقت استعمال کرنا جائز ہے۔ اہل سنت میں فقہی طور پر امام صاحب ہی نے اوّلاً اس مسئلہ کو منقح کیا ہے۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت کا نقطہ نظر اس کے برعکس تھا۔ الجصاص کے نزدیک محدثین کی ایک جماعت حکومت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی تھی خواہ وہ کچھ بھی کر رہی ہو۔ ان کے نزدیک ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم صرف عوام سے متعلق ہے[۶۰]۔ اور یہ کہ ظلم کے خلاف زبانی احتجاج ہونا چاہیے، خروج نہ کیا جائے اگرچہ وہ ناحق خون بہائیں، لوگوں کے حقوق میں بے جا دست درازیاں کریں اور کھلم کھلا فسق کے مرتکب ہوں[۶۱]۔

محدثین کے اسی نقطہ نظر کی وضاحت شام کے مشہور محدث اور فقیہ اوزاعی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے الجصاص نے نقل کیا ہے۔ "احتملنا اباحنیفة علیٰ شیء حتی جاء نا بالسیف (یعنی قتال الظلمة) فلم نحتمله"[۶۲]۔ (ابو حنیفہ کی ساری باتیں ہم برداشت کرتے رہے تاآنکہ یہ شخص بالآخر تلوار لے کر آ گیا (یعنی تلوار اٹھانے کا فتویٰ دیا)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجصاص اس مسئلہ میں امام صاحب کی رائے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وکان من قولہ وجوبُ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فرض بالقول فان لم یوتمرلہ' فبالسیف"[۶۳]۔ (امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبان سے فرض ہے لیکن اگر حکمران سیدھی راہ اختیار نہ کریں تو پھر تلوار سے واجب ہے)۔

امام صاحب اگرچہ ظالم حکومت کے خلاف تلوار اٹھانے اور باطل کا مقابلہ کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں مگر آپ کے نزدیک یہ اقدام ان حالات میں جائز ہے جب کہ ایک کامیاب اور مفید انقلاب لانا ممکن ہو اور اس کے نتیجہ میں محض جانوں اور قوتوں کا ضیاع نہ ہو۔ امام صاحب کسی جذباتی اقدام کے قائل نہیں بلکہ سازگار حالات اور مناسب شرائط کے ساتھ اس اقدام کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ کے اس نقطہ نظر کی وضاحت اس گفتگو سے بخوبی ہو سکتی ہے جو خراسان کے مشہور فقیہ اور مبلغ ابراہیم الصائغ کے درمیان اس مسئلہ پر ہوئی جسے تذکرہ نگاروں نے ابن مبارک کے حوالے سے نقل کیا ہے اس کے اہم نکات یہ ہیں:

(۱) ھذہٖ فریضۃ لیست کسائر الفرائض یقوم بھا الرجل وحدہ'---- ان قام بہٖ رجل وحدہ' قتل ولم یصلح للنّاس امر. (۲) ولکن ان وجد علیہ اعوانًا صالحین. (۳) ورجلاً یرأس علیھم ماموناً علیٰ دین اللہ لایحول[۶۴].

(۱) بلاشبہ یہ بھی فرض ہے لیکن ایسا فرض نہیں جس کے لیے تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے اگر اکیلا آدمی اس کے لیے کھڑا ہو تو مارا جائے گا اور لوگوں کا کوئی کام بھی نہ بن پڑے گا۔ (۲) اس کام کے لیے صالح مددگاروں کا میسر آنا بھی ضروری ہے۔ (۳) اور ایسا شخص بھی جو ان کی قیادت کرے، وہ اللہ کے دین کے معاملے میں بھروسے کے لائق ہو اور اپنے مسلک پر مضبوطی سے جما ہو۔

امام صاحب کی بیان کردہ ان شرائط کے بغیر باطل کا مقابلہ کرنا اور حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کا نتیجہ سوائے جان و مال کے اتلاف کے کسی مثبت شکل میں سامنے نہیں آتا بلکہ وہ صلاحیتیں جو دوسرے خیر کے کاموں میں صرف ہوکر عوام کے لیے نفع بخش ہو سکتی تھیں معاشرہ ان سے محروم ہو جاتا ہے جس کی طرف امام صاحب نے "قتل ولم یصلح للناس امر"[۶۵] کے الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ طریق کار اس لیے بھی مناسب نہیں کہ اس طرح حکومت جبر و تشدد کی راہ اختیار کرتی ہے اور عوام خوفزدہ ہوکر تبدیلی کے امکان ہی سے مایوس ہو جاتے ہیں[۶۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے دور میں حق کے فروغ کے امکانات سے ممکنہ حد تک فائدہ اٹھانے میں مشغول رہنا ہی امام صاحب کا مسلک تھا۔

حکومت وقت کے خلاف خروج کے سلسلے میں امام صاحب کا ذاتی طرزِ عمل کیا تھا؟ زید بن علی اور محمد بن عبداللہ و ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کے متعلق آپ کی رائے کیا تھی؟ اور آپ نے ان کے ساتھ کس حد تک تعاون کیا؟ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۲۔ شرطِ قرشیت

امام صاحب خلافت کے لیے قرشیت کو ضروری قرار دیتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں ان کی ذاتی آراء موجود نہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف "فقہ الاکبر" میں بھی اس بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ خلفاء راشدین کے تقرر کے بارے میں دو امور کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ (۱) امامت کی صلاحیت، (۲) امت کا اختیار (ووٹ)[۶۷]۔ ممکن ہے امامت کی صلاحیت میں آپ قرشیت کا بھی لحاظ رکھتے ہوں اور چونکہ اہل سنت کے ہاں یہ شرط اس دور میں مسلم تھی اس لیے آپ اسے زیر بحث نہ لائے ہوں۔ بعض کتب احناف میں امام صاحب کا یہی مسلک ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور کی سیاست و حکومت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس بارے میں کسی دوسرے تصور کی گنجائش بھی نظر نہیں آتی۔ خصوصاً جب کہ بعض احادیث سے بھی اس مسلک کی تائید ہوتی ہے (جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الائمة من القریش"[۶۸]۔ اگرچہ بعض احادیث میں اسے اقامتِ دین اور عدل کے ساتھ مشروط ٹھہرایا گیا ہے[۶۹] اسی لیے اہل سنت کے ہاں ان شرائط سے انحراف کی صورت میں قریشی کے مقابلے میں غیر قریشی کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔ نیز اس موضوع سے متعلق نصوص سے بھی بحیثیت مجموعی یہ تاثر پیدا نہیں ہوتا کہ امامت و خلافت صرف قریش میں محدود ہے۔ محققین کے نزدیک وقتی سیاست کے پیش نظر ریاست کو افتراق و انتشار سے بچانے کے لیے خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا، یہ کوئی مستقل شرعی حکم نہ تھا[۷۰]۔ اسی لیے امام صاحب سے ایک روایت (جو کہ غیر مشہور ہے) یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ امام کے لیے قریشی ہونا ضروری نہیں[۷۱]۔ ممکن ہے امام صاحب بھی مخصوص حالات میں ریاست کے استحکام کی غرض سے اس شرط کو اہمیت دیتے ہوں اور اسے افضل ٹھہراتے ہوں اور عام حالات میں اسے ضروری نہ خیال کرتے ہوں۔

۳۔ شرطِ فاطمیت

امام ابو حنیفہ محض نسلی عصبیت یا خاندانی تفوق کی بنیاد پر حکومت کے قیام کے داعی نہ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے دور میں صرف شیعہ وراثت کے اصول پر خلافت کو خاندانِ رسولؐ میں محدود رکھنے کے حامی تھے اور صرف بنو ہاشم بلکہ ان میں بھی آل فاطمہ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔

امام صاحب کے اپنے دور میں علویوں کے ساتھ علمی اور سیاسی روابط تھے اور ان کے خروج میں بھی امام صاحب نے ان کی تائید و حمایت بھی کی تھی جس کی بناء پر بعض لوگوں نے غلط فہمی کی بناء پر یہاں تک کہہ دیا کہ "ان اباحنیفه کان فیه تشیع، وانه' فی مرأیه السیاسی ینحو نحو الشیعة"(۷۲) ابو حنیفہ" میں کچھ تشیع پایا جاتا تھا اور وہ اپنے سیاسی آراء و افکار میں شیعہ کی جانب مائل تھے"۔ مصری محقق ابوزہرہ نے امام صاحب کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔ "انّ ابا حنیفة شیعی فی میوله و آرائه فی حکام عصره، أی انه' یری الخلافة فی أولاد بن علی من فاطمة، وأنّ الخلفاء الذین عاصروه قدا غتصبوا لأمر منهم، وکانوا ظالمین"(۷۳)۔

(امام ابوحنیفہ" اپنے دور کے حکام کے بارے میں شیعی زاویہ نگاہ رکھتے تھے، یعنی خلافت کو حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کا حق سمجھتے تھے اور یہ رائے رکھتے تھے کہ آپ کے معاصر خلفاء نے فاطمیوں کا یہ حق غصب کیا ہے لہذا اس غصب کی وجہ سے وہ ظالم ٹھہرے ہیں)

ابوزہرہ کی مذکورہ رائے کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو پھر امام صاحب کے اس عقیدہ کی کیا توجیہ کی جائے گی جس کی رو سے وہ چاروں خلفاء کو حق پر سمجھتے ہیں اور ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس خیال کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیقؓ کو تمام امت پر افضل قرار دیتے ہوئے سب سے پہلے خلافت کو ان کے لیے ثابت کرتے ہیں"(۷۴)۔

پھر امام صاحب کی عباسی خلیفہ سفاح (جو کہ غیر فاطمی تھا) کی بیعت و تائید سے بھی مذکورہ رائے کی نفی ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ امام صاحب کا میلان علویوں کی جانب تھا مگر اس کے کچھ دوسرے وجوہ و اسباب تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ خلافت کے لیے فاطمی ہونا ضروری خیال کرتے تھے، درست نہیں نہ اس پر کوئی تاریخی یا واقعاتی شہادت موجود ہے اور نہ ہی کتبِ احناف میں امام صاحب کی طرف یہ مسلک منسوب کیا گیا ہے۔

ظالم حکومت کے خلاف خروج کے سلسلے میں امام صاحب کی مساعی

امام صاحب کے سیاسی کردار کا ایک پہلو ان تحریکوں کی حمایت اور امداد ہے جو اموی اور عباسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومتوں کے خلاف آپ کے دور میں اٹھیں اور جن کا مقصد اسلامی نظامِ حکومت کا قیام تھا۔ ان تحریکوں کی قیادت خاندانِ نبوت (علویوں) کے سرکردہ افراد کے ہاتھوں میں تھی جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور اخلاص و للّٰہیت کی بناء پر عوام میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے اور عوام کی اکثریت کی تائید و حمایت بھی انہیں حاصل تھی۔

یہاں یہ سوال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ امام صاحب نے اہلبیت کی حمایت کس بناء پر کی؟ ان سے آپ کی عقیدت و محبت کے اسباب کیا تھے؟

اہلبیت سے امام صاحب کی عقیدت و محبت کے اسباب

تاریخی مطالعہ سے امام صاحب کی اہلبیت سے وابستگی کے متعدد اسباب و وجوہ کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ اہلبیت اپنے علم و فضل، زہد و ورع اور قرابتِ رسول کی بناء پر عوام کی عقیدت و محبت کا مرکز تھے اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، وہ اسلامی حکومت کے قیام اور اقدارِ اسلامی کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں نکلے تھے۔ حصولِ مقصد کے لیے انہوں نے جس عزم و ہمت، صبر و استقلال اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا یہ کردار امام صاحب کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا اس لیے آپ نے ان کی حمایت کا فیصلہ کیا۔

۲۔ اہلبیت کے ساتھ امویوں کا ناروا سلوک، ان پر لعن طعن، سیاسی حریفوں کا قتل، عباسیوں کے علویوں پر مظالم امام صاحب نے بچشم خود دیکھے تھے جس کے نتیجے میں ان کے ساتھ قلبی ہمدردی کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہلبیت کے ساتھ آپ کی محبت میں کوفہ کی اس مخصوص فضا کا بھی اثر ہو جس میں امام صاحب کی نشوونما ہوئی، نیز آپ کے خاندان کی اہلبیت کے ساتھ ارادت و محبت بھی ضرور آپ پر اثر انداز ہوئی ہوگی۔ امام صاحب کے والد ثابت کا بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیا جانا اور ان کا ثابت اور اولادِ ثابت کے لیے دعا برکت کرنا تاریخ سے ثابت ہے(۷۵)۔ اسی قلبی میلان کی بناء پر امام صاحب اپنی شخصی رائے کی بناء پر حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی بنسبت زیادہ محبوب رکھتے تھے(۷۶)۔ اگرچہ آپ نے اجتماعی عقیدہ یہی قرار دیا کہ جو خلافت کی ترتیب ہے وہی فضیلت کی ترتیب ہے(۷۷)۔ امام صاحب حضرت علیؓ کو تمام لڑائیوں میں بھی حق بجانب سمجھتے تھے اور ان کے رویے کو مبنی برانصاف خیال کرتے تھے(۷۸)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ امام صاحب نے مختلف ائمہ اہلبیت سے علمی استفادہ بھی کیا تھا ان میں سے زید بن علی شہید، امام باقر، امام جعفر صادق، محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ اور ابراہیم کے والد عبداللہ بن حسن (جن کے فضل و کمال کے امام صاحب خصوصی مداح تھے) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بالخصوص اموی عہد میں حکومت کے مقابلہ میں خروج کی قیادت کرنے والے امام زید بن علی کے متعلق امام صاحب کی شہادت یہ ہے۔ "مارأیت فی زمانہ افقہ منہ ولا أعلم ولا أسرع جوابًا ولا أبین قولا"(۷۹)۔ (میں نے ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی کسی کو نہ پایا۔ ان جیسا حاضر جواب اور واضح گفتگو کرنے والا آدمی مجھے اس عہد میں کوئی نہ ملا)۔

یقینا یہ علمی روابط بھی اہلبیت کی محبت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ امام صاحب کے سیاسی میلانات پر بھی ضرور اثر انداز ہوئے ہوں گے۔

خروج کے متعلق امام صاحب کا طرزِ عمل

خروج کے متعلق امام صاحب کے نقطہ نظر کی وضاحت تو ہو چکی ہے لیکن آپ کے زمانے میں خروج کے جو واقعات پیش آئے تھے ان میں آپ کا ذاتی طرز عمل کیا تھا؟ آپ نے خروج میں ذاتی طور پر حصہ لیا تھا یا نہیں؟ نیز آپ کی ان تحریکوں کے ساتھ وابستگی اور تعاون کس حد تک تھا؟ اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

خروج زید

۱۲۲ھ میں حضرت زید نے اموی حکومت کے خلاف خروج کیا تو امام صاحب نے ان کے متعلق یہ فتویٰ دیا: "خروجہ' یضاھی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر"(۸۰)۔ (حضرت زید کا کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر میں نکلنے کے مشابہ ہے) گویا ان الفاظ کے ذریعہ آپ نے اس خروج کی شرعی تصحیح کی۔ بعض مورخین کے نزدیک امام صاحب پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کی طرف مالی امداد بھی بھیجتے تھے جیسا کہ صنعانی لکھتے ہیں: "کان ابو حنیفۃ یفتی سرًا بوجوب نصرۃ زید بن علیؒ وحمل المال الیہ"(۸۱)۔

امام صاحب ایک طرف تو ان کے خروج کی تصویب کرتے ہیں مگر آپ نے عملاً خروج میں حصہ نہیں لیا اگرچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے پاس موجود لوگوں کی بڑی تعداد میں امانتوں کا عذر کیا اور بعض میں بیماری کا عذر بھی ہے(۸۲)۔ یہ عذر یقیناً اپنی جگہ پر درست ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے مگر اصل بات یہ ہے کہ ایک کامیاب انقلاب کے لیے امام صاحب جن شرائط کو ضروری خیال کرتے تھے وہ پوری نہ تھیں، صالح قیادت تو میسر تھی مگر پُرعزم مخلصین کی جماعت کی کمی تھی جس کا اظہار امام صاحب نے حضرت زید کے قاصد کے سامنے بھی کیا، آپ نے فرمایا:

لو علمت ان الناس لا یخذلونه' وقومون معه' قیام صدق لکنتُ اتبّعه' واجاورمعه' من خالفه' لافمه' امام حقّ ولکنّی اخاف ان یخذلوه کما خذلوا اباه لکنی اعینه' بمالی فیقوی به علیٰ من خالفه''(۸۳).

اگر میں جانتا کہ یہ لوگ آپ کو وقت پر نہ چھوڑ دیں گے اور سچے دل سے ان کی حمایت پر کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسی طرح ان سے بے وفائی کریں گے جس طرح ان کے دادا (حضرت حسینؓ) سے کر چکے ہیں البتہ میں مال سے ان کی مدد ضرور کروں گا تاکہ وہ مخالفین کے مقابلے میں اس سے تقویت حاصل کریں۔

یہ کہہ کر آپ نے قاصد سے فرمایا کہ میرا عذر بیان کر دینا اور یہ دس ہزار درہم میری طرف سے انہیں پیش کر دینا۔

امام صاحب نے عمر کا طویل حصہ کوفہ میں گزارا تھا اس لیے آپ اہل کوفہ کے حالات اور ان کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے، کوفہ والوں کے متعلق نہ صرف یہ امام صاحب کی رائے تھی بلکہ بعض دیگر حضرات نے بھی جن میں ابن عباسؓ کے پوتے داؤد بن علی اور خاندانِ نبوت کے اہم فرد عبداللہ بن حسن شامل ہیں، انہوں نے بھی کوفیوں کے سابقہ طرزِ عمل کی بنیاد پر امام صاحب کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی(۸۴)۔

اس تحریک کی کامیابی کے امکانات اگرچہ یقینی نہ تھے مگر یہ ایک بلند مقصد کے لیے اٹھی تھی جیسا کہ حضرت زید کی بیعتِ جہاد کے الفاظ سے واضح ہے کہ وہ بیعت لیتے وقت کہتے تھے۔ ''ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں بلاتے ہیں کہ آؤ ظالموں سے جہاد کرو، جو کمزور ہو گئے ہیں ان کو ظلم سے بچاؤ، اپنے حقوق سے جو لوگ محروم کر دیئے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ اور مسلمانوں کا یہ مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے''(۸۵)۔ امام صاحب کو گوارا نہ تھا کہ جس بلند مقصد کے لیے حضرت زید کھڑے ہوئے ہیں ان کی مساعی اکارت جائیں اس لیے آپ اس تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بالکلیہ الگ بھی نہیں رہے اور قلبی، لسانی اور مالی معاونت کرتے رہے۔

خروج نفس ذکیہ و ابراہیم

عباسیوں کے خلاف سب سے بڑی انقلابی تحریک جس کے کچھ احوال کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے، حسنی سادات کے حصہ میں آئی۔ اس کے روح رواں محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ نے مدینہ سے اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ سے ۱۴۵ھ میں خروج کیا۔ یہ تحریک سابقہ تحریکوں سے مختلف تھی، ان کے نمائندے ملک کے طول و عرض میں مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، خود امام صاحب کے شہر کوفہ کے متعلق مورخین کی رائے یہ ہے کہ ایک لاکھ تلواریں ان کی حمایت میں نکلنے کے لیے تیار تھیں، اور بڑے بڑے علماء ان کی تائید میں فتوے دے رہے تھے(۸۶)۔ اس خروج کے دوران عباسی خلیفہ منصور کی پریشانی اور گھبراہٹ کے متعلق مورخین نے عجیب و غریب واقعات نقل کیے ہیں جن سے اس تحریک کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے(۸۷)۔

عباسی حکومت کے خلاف تحریک میں امام صاحب کا حصہ

ایک کامیاب انقلاب کے لیے امام صاحب جن شرائط پر زور دیتے تھے وہ اس دور میں تقریباً پوری ہو چکی تھیں۔ اس لیے امام صاحب نے اس موقعہ پر بڑی سرگرمی دکھائی اور اس تحریک کے ساتھ آپ نے مختلف طریقوں سے تعاون کیا۔

۱۔ امام صاحب نے اپنے فتووں کے ذریعہ اس تحریک کو تقویت پہنچائی، مثلاً جب ان سے پوچھا گیا کہ حج کرنا زیادہ بہتر ہے یا ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے؟ تو آپ کا جواب تھا کہ ''اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے''(۸۸)۔ آپ نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ابراہیم کی اعانت و رفاقت غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کرنے سے افضل ہے''(۸۹)۔

ایک مسلم مفکر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک مسلم معاشرے کے اندرونی نظام کو بگڑی ہوئی قیادت کے تسلط سے نکالنے کی کوشش باہر کے کفار سے لڑنے کی بنسبت بدرجہا زیادہ فضیلت رکھتی ہے(۹۰)۔

۲۔ امام صاحب نے بڑے زور و شور سے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا شروع کیا۔ یافعی لکھتے ہیں: ''کان ابو حنیفة یجاھر فی امرہٖ و یأمر بالخروج معه''(۹۱)۔ (امام صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابراہیم کی رفاقت پر لوگوں کو اعلانیہ ابھارتے تھے اور انہیں حکم دیتے تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ کریں"۔ امام زفر کی شہادت گزر چکی ہے کہ امام صاحب کے جوش و جذبہ کی بناء پر ان کے تلامذہ بھی اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے(۹۲)۔

ان حالات میں جب کہ مورخین کے نزدیک منصور بغداد چھوڑ کر کوفہ میں آ ٹھہرا تھا اور جس پر بھی ابراہیم کی اعانت یا ہمدردی کا شبہ ہوتا اسے قتل یا قید کرنے لگتا(۹۳)۔ امام صاحب کی یہ سرگرمیاں ان کی جرأت و حق گوئی کا عظیم ثبوت ہیں۔ بالخصوص کوفہ میں اس تحریک کی شدت کے جہاں دیگر عوامل ہیں وہاں اس میں امام صاحب کے فتووں اور کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے۔

۳۔ امام صاحب کا ایک اہم اور خطرناک اقدام اس تحریک کے دوران منصور کے معتمد جرنیل اور فوج کے سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو ابراہیم کے خلاف جنگ سے باز رکھنا ہے (اس کے والد قحطبہ نے اپنی عسکری قوت کے ذریعہ عباسی حکومت کے قیام میں بڑی مدد بہم پہنچائی تھی)۔

عباسیوں کے انتہائی وفادار جرنیل کو اس اقدام سے باز رکھنے میں امام صاحب کو کتنی جدوجہد کرنی پڑی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس شخص نے امام صاحب کے ہاتھ پر ایک موقع پر سابقہ مظالم سے توبہ کرتے ہوئے یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ خود قتل ہونا تو گوارا کر لے گا مگر کسی مسلمان کو بے گناہ قتل نہیں کرے گا۔ امام صاحب نے اس تحریک کے موقع پر اسے یہ عہد یاد دلا کر ابراہیم کے خلاف جنگ سے باز رکھا، اس نے پھر امام صاحب کے سامنے اس عہد کی تجدید کی اور منصور سے صاف صاف کہہ دیا کہ امیر المومنین میں اس مہم میں شرکت سے معذور ہوں۔ **"ان کان لله طاعة فیمن قتلت فی سلطانک فلی منه أوفر الحظ وان کان معصیة فحسبی ماقتلت"**(۹۴)۔ (اب تک جن لوگوں کو آپ کی حکومت کے تحت قتل کر چکا ہوں اگر وہ اللہ کی اطاعت میں ہے تو میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے اور اگر میں نے ان کو قتل کر کے اللہ کی نافرمانی کی ہے تو میرے لیے گناہ کا یہ ذخیرہ کافی ہے)۔

منصور اس پر انتہائی غضبناک ہوا مگر اس کے بھائی حمید نے اس کی طرف سے یہ عذر کیا کہ اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے اور خود اس نے اس مہم پر جانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بعد میں منصور نے حسن کے بارے میں تحقیقات کیں تو اسے یہ رپورٹ دی گئی۔ **"انّهٗ یدخل علیٰ ابی حنیفة"**(۹۵)۔ (اس کی آمد و رفت ابو حنیفہ کے پاس رہتی ہے)۔

فاضل گیلانی کے الفاظ میں عباسی فوج سے حسن کی علیحدگی صرف حسن کی علیحدگی نہ تھی بلکہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کی علیحدگی پر منتج ہونے والی تھی جو حسن کے زیر اثر تھے۔ امام صاحب کی یہ بڑی اہم سیاسی کامیابی تھی--- تقدیری واقعات کا تو کوئی علاج نہ تھا--- لیکن تدبیری حد تک کسی حکومت قائمہ کو ہٹانے کی آخری تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ فوج میں انقلاب پیدا کر دیا جائے(۹۶)۔ یہ الگ بات ہے کہ قسمت نے ساتھ نہ دیا اور یہ تحریک کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

سیاسی انتقام

امام صاحب کی سوانح سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی زندگی میں دو دفعہ سیاسی انتقام کا نشانہ بننا پڑا، ایک تو اموی دور میں جب کہ آپ نے زید کی حمایت میں خفیہ طور پر حصہ لیا۔ ان سرگرمیوں نے امام صاحب کو حکومت کی نظر میں مشتبہ بنا دیا تھا۔ اس تحریک کو کچلنے کے بعد والیٔ عراق ابن ہبیرہ نے امام صاحب کی وفاداری کو جانچنے کے لیے مختلف اعلیٰ مناصب (مثلاً قضا، وزارت خزانہ وغیرہ) کی پیشکش کی(۹۷)، اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ انکار کی صورت میں آپ کے مخالفینِ حکومت سے تعلقات کا ثبوت مل جائے گا اور حکومتی احکامات سے انکار کے بہانے انہیں سزا دینے کا جواز بھی مل جائے گا اور قبول کرنے سے ان کی برات ظاہر ہو جائے گی اور حکومت سے وفاداری یقینی ہو جائے گی۔ امام صاحب نے ان تمام پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور باوجود سمجھانے بجھانے کے انہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ کے سر پر بیس یا تیس کوڑے لگوائے گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ دس گیارہ دن تک روزانہ دس کوڑے آپ کو لگائے جاتے رہے، آخر تنگ آکر ابن ہبیرہ نے کہا کہ اسے کوئی سمجھانے والا نہیں کہ یہ مجھ سے مہلت مانگ لے۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کا موقع دیا جائے، چنانچہ آپ رہا کر دیئے گئے اور کوفہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور پھر عباسی عہد خلافت میں کوفہ واپس ہوئے(۹۸)۔

امام صاحب دوسری مرتبہ حکومت کے عتاب کا نشانہ اس وقت بنے جب انہوں نے عباسی دور میں منصور کے خلاف نفس ذکیہ اور ابراہیم کی کھلم کھلا حمایت کی، وہ حکومت کے بارے میں آپ کی سیاسی آراء سے بھی بخوبی واقف تھا مگر آپ کے اثر و رسوخ کی بناء پر کوئی فوری فیصلہ یا ردعمل ظاہر نہ کیا مگر دل میں انتقام کی گرہ بیٹھ گئی، اس نے اموی حکومت کی طرح آپ کے سامنے کئی بار قضا کا منصب پیش کیا حتیٰ کہ تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ بنانے کی بھی پیشکش کر دی مگر آپ مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالتے رہے(۹۹)۔ حقیقت یہ ہے کہ منصور اس پیشکش میں مخلص نہ تھا، وہ اس پیشکش کے ذریعہ آپ کو قابو کرنا چاہتا تھا اور انکار کی صورت میں آخری وار کا ارادہ رکھتا تھا، اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندازہ منصور کے وزیر کی اس گفتگو سے بھی ہوتا ہے جو اس نے امام صاحب کو اس موقع پر سمجھاتے ہوئے کہی تھی کہ "أنّ امیر المومنین یطلب علیک علة فان لم یقبض صوتک علی نفسک ماظنّ بک" (امیر المومنین تو صرف حیلہ کی تلاش میں ہے اگر آپ اس کے عطیہ کو قبول نہ کریں گے تو ہم جو بدگمانیاں آپ کے متعلق رکھتے ہیں ان کے سچا ہونے کا یقین کر لیں گے)۔ مگر امام صاحب اپنے سخت موقف پر ڈٹے رہے۔ بالآخر منصور کے قہر و غضب کا نشانہ بنے، آپ کو کوڑوں سے پٹوایا گیا، جیل میں ڈال کر کھانے پینے کی سختیاں کی گئیں[100]۔ بعض روایات کی رو سے آپ کا انتقال طبعی موت سے اور بعض کی رو سے زہر خورانی سے ہوا[101]۔ خطیب بغدادی اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ آپ کا انتقال قید خانے میں ہوا[102]۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ امام صاحب کے ساتھ یہ سلوک سراسر سیاسی انتقام تھا۔ ابن حجر مکی نے "الخیرات الحسان" میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے[103] اور امام ابو یوسف کی نقل کردہ ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ منصور کی سختی کی وجہ ابراہیم سے تعلقات تھے[104]۔

امام صاحب کی سیاست کے نمایاں امتیازات

۱۔ نظریہ اور عمل میں ہم آہنگی

امام صاحب کی سیاست کا ایک نمایاں وصف آپ کے قول و فعل اور نظریہ و عمل میں ہم آہنگی کا پایا جانا ہے۔ آپ نے جسے حق سمجھا اسے برملا کہا اور اس پر ثابت قدم رہے اور جسے باطل خیال کیا اسے مٹانے کی بھرپور جدوجہد کی، امام صاحب کے ایک قریبی ساتھی جنہوں نے ان کے ساتھ طویل عرصہ گزارا اپنا تجربہ امام صاحب کے متعلق نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولم أر أحدًا یوافق قوله فعله الاّ ابو حنیفة"[105]۔ (میں نے امام ابوحنیفہ کے سوا کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو۔

۲۔ توازن اور اعتدال پر مبنی سیاست

امام ابو حنیفہ کی سیاست آپ کی متوازن فکر اور اجتہادی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے، اعتدال پسندی آپ کا مسلک خاص اور انتہاء پسندی اور حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت سے گریز آپ کا نمایاں وصف تھا، یہ جھلک آپ کے ہر قول و فعل میں نمایاں نظر آتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اموی اور عباسی دور میں ان کی حکومتوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو آپ نے حکومت مخالف تحریکوں کے ساتھ لسانی اور مالی تعاون کر کے ان کو بڑی تقویت پہنچائی مگر اپنی سیاسی بصیرت کی بناء پر آپ نے پس منظر میں رہنا پسند کیا۔ یہ طریقِ کار اس لیے بھی مناسب تھا کہ آپ قانون کی گرفت سے آزاد رہ کر اپنے اہداف و مقاصد کی تکمیل بہتر انداز میں کر سکتے تھے، اس کے برعکس اگر آپ جوش و جذبے سے مغلوب ہوکر براہ راست حکومت سے متصادم ہو جاتے تو آپ کا انجام آپ کے ایک قریبی ساتھی ابراہیم بن میمون الصائغ سے مختلف نہ ہوتا جنھوں نے امام صاحب کے منع کرنے کے باوجود حکومت سے تصادم کی راہ اختیار کی اور شہید کر دیئے گئے۔ فاضل گیلانی کے الفاظ میں ''بے چارے ابراہیم میں صرف ایمانی جوش تھا، اس جوش کو عقل اور تدبیر کی راہنمائی میں استعمال کرنے سے وہ معذور تھے''(۱۰۶)۔ امام صاحب کے نزدیک باطل کے مقابلہ کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۔ حکیمانہ سیاست

امام صاحب کی سیاست میں حکمت و تدبر کا عنصر بھی شامل تھا، حکمت و بصیرت، ذہانت و فراست کا بیش بہا خزانہ قدرت کی طرف سے آپ کو عطا ہوا تھا، ان صلاحیتوں سے آپ نے میدانِ سیاست میں بھی کام کیا اور خلقِ خدا کو نفع پہنچایا۔

اس کی ایک نمایاں مثال یہ واقعہ ہے کہ جب کوفہ میں خوارج کا تسلط ہوا تو ان کے سردار ضحاک نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ ''کوفہ والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے''۔ ان وحشی اور گنوار خارجیوں سے کسی کو بات کرنے کی جرات نہ ہوئی، امام صاحب جان پر کھیل کر اس نازک موقع پر آگے بڑھے اور ضحاک سے یہ سوال کیا کہ اس نے یہ حکم کس بنیاد پر جاری کیا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ لوگ مرتد ہیں۔ امام صاحب نے حکمت سے کام لیتے ہوئے سیدھا سادھا ایک سوال اس کے سامنے رکھا کہ مرتد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان لوگوں کا پہلے کچھ اور دین تھا اور اس دین کو ترک کر کے مرتد ہونے کے بعد اب کوئی نیا دین انہوں نے قبول کیا ہے؟ یا جس دین پر پہلے سے چلے آ رہے ہیں وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے؟ یہ سن کر اس نے 'ساخطانا' (ہم سے غلطی ہوئی) کا اعلان کرتے ہوئے تلوار میان میں ڈالی اور سابقہ حکم واپس لے لیا(۱۰۷)۔

امام صاحب نے حکیمانہ سیاست اور مدبرانہ طرز فکر کے ذریعہ کوفہ والوں کو ایک بہت بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطرے سے بچا لیا۔ اسی سلسلے کی ایک مثال امام صاحب کی وہ تقریر ہے جو آپ نے سفاح کی بیعت کے موقع پر کہی تھی جب بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے تخت خلافت سنبھالنے کے بعد کوفہ میں علماء کو جمع کر کے ان سے بیعت تعاون طلب کی، اس موقع پر علماء انتہائی اضطراب و کشمکش کی حالت میں تھے اور کسی فیصلہ تک پہنچنے میں انہیں کافی دشواری پیش آ رہی تھی، اطاعت کی صورت میں اگر انہیں ضمیر کے خلاف فیصلہ دینا پڑتا تو عدمِ اطاعت کی صورت میں جان سے بھی ہاتھ دھونے کا امکان تھا۔ اس نازک صورت حال میں مجلس علماء نے وکالت، و نمائندگی کا فریضہ آپ ہی کے سپرد کیا آپ نے تمہیدی کلمات کے بعد بیعت کے متعلق دو مختصر باتیں ارشد فرمائیں، آپ نے فرمایا: "قد بایعناک علیٰ امر اللّٰہ والوفاء لک بعھدک الیٰ قیام السّاعة"(۱۰۸)۔ (خدا کے حکم اور امر پر ہم نے تمہاری بیعت کی اور اس بیعت کے ساتھ ہم قیام الساعۃ تک وفادار رہیں گے)۔ سفاح نے امام صاحب کی خطابت سے متاثر ہو کر خوب داد دی اگرچہ وہ امام صاحب کے ذومعنی جملوں کا ادراک نہ کر سکا۔ باہر نکل کر علماء نے آپ سے یہ سوال کیا کہ "الیٰ قیام السّاعة" سے آپ کا مقصد کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو بات میرے حوالے کی بس میں نے خود اپنے لیے بھی ایک راہ نکالی اور تم لوگوں کو بھی مصیبت سے بچا لیا"۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہوگئے اور سمجھ گئے کہ آپ نے جو کچھ کہا درست ہے(۱۰۹)۔

"الیٰ قیام السّاعة" کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ قیامت کے قائم ہونے تک ہم وفادار رہیں گے مگر امام صاحب اس سے کوئی دوسرا مفہوم مراد لے رہے تھے۔ اسی لیے وہ فرماتے ہیں۔ "میں نے ایک راہ نکال لی"۔ چنانچہ کردری اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ امام صاحب نے "الیٰ قیام الساعة" سے "الیٰ قیامی السّاعه من المجلس" اس مجلس سے اٹھنے کا وقت مراد لیا ہو(۱۱۰)۔ امام صاحب نے توریہ کے استعمال سے اپنے مقصد و مدعا پر بھی حرف نہیں آنے دیا اور اس کے ساتھ ساتھ جماعت علماء کو خطرات سے بھی بچا لیا۔

۴۔ سرکاری مناصب، حکمرانوں کے قرب اور عطیوں سے گریز

امام صاحب کی سیاسی حکمت عملی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے حق و صداقت کی آواز بلند رکھنے کے لیے سرکاری مناصب اور عطیوں سے گریز کی راہ اختیار کی اور تجارت کو مستقل ذریعہ معاش بنایا، باوجودیکہ آپ کو اموی دور میں قضا اور وزارت خزانہ کی پیشکش کی گئی اور اس سلسلے میں آپ پر جبر و تشدد بھی کیا گیا مگر آپ سے استغناء نے انہیں ٹھکرا دیا۔ دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حکومت سے نہ کبھی ایک درہم لیا نہ دینار(۱۱۱)۔ ابن زہیر نے ایک موقع پر درخواست کی کہ آپ ہمارے ہاں اپنی آمد و رفت کچھ بڑھا دیں تاکہ ہمیں آپ سے فائدہ پہنچے اور آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں تو امام صاحب کا دو ٹوک جواب یہ تھا کہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مجھے آرزو ہو اور نہ میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں(۱۱۲)۔ امام صاحب کے ہم عصر ان کے استغناء کی تعریف میں غیر معمولی طور پر رطب اللسان ہیں(۱۱۳)۔ امام صاحب کی اس پالیسی نے ان کی آواز میں غیر معمولی قوت پیدا کی اور بغیر کسی دباؤ کے انہوں نے سیاسی نظریات پیش کیے اور تنقید و احتساب اور امرِ حق کے اظہار کا فریضہ نہایت آزادی کے ساتھ سرانجام دیا۔

۵۔ عملی سیاست سے حتی الوسع اجتناب اور علمی کاموں میں مشغولیت

امام صاحب کی سیاست کا محور ملک و ملت کی اصلاح تھی اور اس کے لیے آپ نے جو راستہ اختیار کیا وہ تنقید و احتساب اور احتجاج و اختلاف کا تھا۔ سیاست آپ کا ہمہ وقتی مشغلہ نہ تھا جب بھی مسلمانوں کی کوئی ضرورت داعی ہوتی آپ اس طرف متوجہ ہوتے، آپ نہ تو حکومت سے براہِ راست متصادم ہوئے نہ اقتدار کے حریف بنے، اسی لیے آپ کے بیشتر اوقات دینی فرائض کی ادائیگی اور علمی مشاغل میں صرف ہوتے۔ امام صاحب اگر سیاسی سرگرمیوں ہی کو اپنا محور و مرکز بنا لیتے تو ان کا عظیم کارنامہ ''تدوین فقہ'' کی شکل میں ظہور میں نہ آ سکتا تھا جس نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتے ہوئے ملک کو اسلامی آئین، نظام اور قانون عطا کیا اور جس کی عظمت اور برتری کے آگے بالآخر حکمرانوں کو جھکنا پڑا۔ آپ کا یہ علمی کارنامہ آپ کی سیاسی بصیرت ہی کی ایک کڑی ہے۔ امام صاحب جس توجہ اور انہماک کے ساتھ اس علمی خدمت میں مشغول رہے اس کا کسی قدر انداز ابو بکر المعتصمی کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ میں تین سال تک ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں رہا، میں رات بھر ان کو نماز میں قرآن پڑھتے سنتا اور دن بھر اپنے شاگردوں کے سامنے فقہی مسائل کا شور و غل پاتا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کھاتے کب تھے اور سوتے کب تھے''(۱۱۴)۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے شاگردوں کی ایسی جماعت تیار کی جو علم و عمل، دیانت و امانت میں مثالی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ نظامِ عدالت و سیاست اور فقہ و قانون میں مکمل مہارت رکھتی تھی، یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام صاحب کی وفات کے چند سالوں بعد ہی وہ عدالت اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور مملکت کے نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب کی سیاسی جدوجہد کے اثرات و نتائج

امام صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شریعت کی بالادستی کے قیام اور ملک و ملت کی اصلاح میں صرف ہوا۔ آپ کی سیاست بھی اسی مقصد کے لیے تھی، اس راستے میں آپ کو بڑی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا، مگر چونکہ آپ کی جدوجہد اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی تھی اس لیے اس کے اثرات مستقبل قریب میں بھی ظاہر ہوئے اور مستقبل بعید میں بھی۔ آپ نے باطل حکومتوں کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کے ساتھ تعاون کر کے انہیں بڑی تقویت پہنچائی اور یہ تاثر بڑی حد تک زائل کیا کہ حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنا شرعاً صحیح نہیں کیونکہ آپ نے ظالم اور فاسق حکومت کو از روئے شرع باطل قرار دیا تھا۔ اس سے عوام میں باطل کا مقابلہ کرنے، نظام کو تبدیل کرنے اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی ہمت اور جرات پیدا ہوئی۔ آپ کی جدوجہد کا اصلی ہدف چونکہ شریعت کی بالادستی کا قیام تھا، اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کی خواہش تھی کہ ملک کو صالح اور معیاری قیادت میسر آ جائے مگر تقدیری حالات نے اس کا موقع نہ دیا۔ تاہم آپ اسی مقصد کو نظام کی تبدیلی کی جدوجہد سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، آپ نے اپنی بصیرت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ حکومت کا معیاری لوگوں کے ہاتھ آنا مشکل ہے مگر اسلامی قانون کو اس طرح اعلیٰ معیار پر مدون کیا جا سکتا ہے کہ اربابِ حکومت اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارے خیال میں عباسی حکومت کو جو استحکام حاصل ہوا اور اسے مزید چند سو سال زندہ رہنے کا موقع ملا تو اس کی ایک بڑی وجہ اس نظام اور قانون کی عملداری ہے جو امام صاحب اور ان کے شاگردوں کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

امام صاحب نے اپنی زندگی میں ہر قسم کے مصائب و آلام کا مقابلہ کر کے حق و صداقت کا علم بلند رکھا اور جرأت و بہادری اور حق گوئی کے عظیم نمونے پیش کیے۔ آپ نے نہ صرف ظلم کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ عوام کو حکمرانوں کے ظلم و ستم سے بچانے کی بھی حتی المقدور کوشش کی، اور جب موقع ملا انہیں ان کی غلطیوں پر ٹوکا۔ بعد کے ادوار میں اصحابِ عزیمت نے امام صاحب ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی نمونہ کو مشعلِ راہ بنایا۔

امام صاحب حکومت کی سیاسی چالوں سے بخوبی واقف تھے، مختلف اعلیٰ مناصب کی پیشکش کے ذریعہ انہیں زیرِ دام کرنے کی کوشش کی گئی مگر آپ نے باعزت اور باوقار زندگی کو ترجیح دی اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیا۔ امام صاحب کے انتقال کے بعد عباسی حکومت میں آپ کے مختلف شاگرد آپ کے مرتب کردہ نظام اور قانون کی ترویج کے لیے کلیدی مناصب پر فائز ہوئے تو انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے خوشامد اور چاپلوسی کے بجائے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق گوئی کا فریضہ سرانجام دیا اور دین اور علم دین کی حرمت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو ہر قسم کی درباری گراوٹوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ ہو: ''خلیفہ ہارون الرشید ایک بار مجلس میں آیا تو تمام لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے، امام صاحب کے شاگرد امام محمد بیٹھے رہے، خلیفہ نے آپ سے بازپرس کی تو آپ کا جواب یہ تھا کہ آپ نے مجھے اربابِ علم کے زمرہ میں جگہ دی ہے میں نے مناسب خیال نہ کیا کہ میں اپنے آپ کو نوکروں اور خدمت گاروں کے طبقے میں شامل کروں اور آپ ہی کے ابن عم سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہوں اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں پانا چاہیے(۱۱۵)۔

امام صاحب نے عہدہ قضاء سے انکار کر کے اور جان کی قربانی دے کر عدلیہ کی آزادی کی راہ ہموار کی، آپ کی مجلس تدوین کا منضبط قانون بالآخر نافذ العمل ہوا اور حکام و امراء شریعت کی بالادستی کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئے۔ آپ کے شاگردوں نے امام صاحب کے کردار کی روشنی میں عدلیہ کے وقار کو بلند کیا، عدالتیں ہر قسم کے دباؤ اور اثر سے آزاد ہونے لگیں اور ان کے فیصلے بے لاگ و بے رعایت ہونے لگے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات خود خلفاء اور حکام کے خلاف فیصلے صادر ہوتے اور وہ ان کے آگے بے دست و پا نظر آتے۔ اس دور کی تاریخ اس موضوع سے متعلق بے شمار واقعات سے پُر ہے(۱۱۶)۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ امام صاحب کے شاگرد ابو یوسف کے متعلق ہے کہ انہوں نے خلیفہ ہادی کے خلاف ایک شخص کے دائر کردہ مقدمہ کا فیصلہ سنایا(۱۱۷)۔ اسی طرح آپ نے ہارون الرشید کے وزیر خاص علی بن عیسیٰ کی شہادت ایک مقدمے میں یہ کہہ کر رد کر دی کہ میں نے اسے اپنے کانوں سے یہ کہتے سنا ہے: "انا عبدالخلیفة" (میں خلیفہ کا غلام ہوں)، اگر یہ سچا ہے تو غلام کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو ایک دروغ گو کی شہادت کیسے قبول کرلوں(۱۱۸)۔ بالفاظ دیگر حکمرانوں کے خوشامدی اور چاپلوس آپ کی نظر میں مردود الشہادة قرار پائے۔

عصر حاضر میں امام ابوحنیفہؒ کے کردار سے استفادہ

امام صاحب کی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کے بہت سے پہلو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آج ہماری دینی اور سیاسی زندگی جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے اور شریعت سے انحراف کی وجہ سے اس میں جو بُعد اور خلا پیدا ہو چکا ہے امام صاحب کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں سے استفادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے اسے پر کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ علماء کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل نہ ہونا چاہیے، بالخصوص حکمران طبقہ کے محاسبہ سے اغماض و سکوت بڑی مضرتوں کا باعث ہے، اس سے منکرات کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور باطل نظام کو تقویت پہنچتی ہے۔ منکرات کے ازالہ اور باطل کے مقابلہ کے لیے امام صاحب کے طرز عمل سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اس کے لیے مناسب وسائل اور تنظیمی قوت کا ہونا اشد ضروری ہے وگرنہ محض جذباتی اقدام کا نتیجہ بلاوجہ فساد و بدامنی اور جانوں اور قوتوں کے ضیاع کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں آتا۔

۲۔ علماء کو عملی سیاست سے حتی الوسع اجتناب کرنا چاہیے، ان کے اصلی فرائض دعوت و تبلیغ، تعلیم و تعلم اور معاشرے کی اصلاح و تطہیر ہے، البتہ انہیں اجتماعی فلاح کے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور بقدرِ ضرورت ان امور میں حصہ لینے کے بعد اپنے اصلی فرائض کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اہلِ علم کے لیے سیاست میں ہمہ وقتی مشغولیت اس لیے بھی مضر ہے کہ یہ ان کو اصلی فرائض سے غافل کر دیتی ہے اور ان کی علمی اور تحقیقی صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں۔ قرونِ اُولیٰ میں عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے سربرآوردہ افراد حکومت ملنے کے ساتھ ہی سیاست میں الجھ گئے تو علم کے میدان میں کوئی نمایاں خدمات سرانجام نہ دے سکے جب کہ موالی (عجمی نو مسلم) کو حکومت سے زیادہ تعلق نہ رکھنے کی بناء پر دین اور علم میں ترقی کا فراخ میدان ملا اور انہوں نے اس شعبہ میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کیا[۱۱۹]۔ امام صاحب اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے آپ اپنے اصلی فرائض سے غافل نہیں ہوئے اور انتہائی توجہ اور انہماک کے ساتھ اسلامی قانون کی تدوین میں حصہ لے کر ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

۳۔ معاشرے کی قیادت ایسے لوگوں کے سپرد کرنی چاہیے جو بیک وقت دینی اور سیاسی قیادت کی اہلیت رکھتے ہوں تاکہ مملکت کے تمام ذرائع اور وسائل مقاصد دینی کی تکمیل میں صرف ہوسکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ شخصیات علم و فضل، تقویٰ و دیانت میں ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ مملکت کے نظم و نسق کو چلانے کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں اور انہیں عوام کی تائید و حمایت بھی حاصل ہو۔ امام صاحب کی اہلبیت کی حمایت کا ایک اہم سبب یہی تھا۔

۴۔ نفاذِ شریعت کے مقصد کی تکمیل کے لیے محض نعرہ بازی اور جذباتی بیانات کافی نہیں بلکہ اس کے لیے ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توانائیاں مسلکی اختلافات اور تعصّبات کو اجاگر کرنے کے بجائے جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے میں صرف کریں اور ایسے افراد تیار کریں جو تمام شعبہ ہائے حیات میں پیش آمدہ مسائل کا دقت و گہرائی کے ساتھ ایسا حل پیش کر سکیں جو شریعت کی روح اور زمانے کے مقتضیات کے مطابق ہو۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ اہم کام انفرادی کوششوں کے بجائے اجتماعی کوششوں کا متقاضی ہے۔

۵۔ علماء کو اپنی توانائیاں بالخصوص نظام کو بدلنے میں صرف کرنی چاہئیں کیونکہ قیادت کی تبدیلی اصلاح احوال کے لیے کافی نہیں۔ امام صاحب کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے محض اقتدار کی تبدیلی پر اکتفاء کرنے کے بجائے اگر صدق و اخلاص کے ساتھ نظام کو بدلنے اور اس کا متبادل پیش کرنے میں اپنی توجہات مرکوز رکھیں تو بلاشبہ یہ اسلام کی عظیم خدمت ہوگی اور ان شاء اللہ ان کی یہ کاوشیں جلد یا بدیر نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس راہ میں جان کھپانے والے کبھی ناکام نہیں رہے۔

۶۔ علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ سرکاری وظائف اور عطیات پر نظر رکھنے کے بجائے صبر و قناعت اور استغناء کے ساتھ علمی، دینی اور اجتماعی کاموں میں مشغول رہیں۔ امام صاحب نے اپنی سیاسی اور علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ تجارت کو ذریعہ معاش بنا کر یہ نمونہ بھی ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اور علماء کی عزت و وقار اسی میں ہے کہ وہ دوسروں کا دست نگر رہنے کے بجائے خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں اور جہد و قربانی کا راستہ اختیار کریں تاکہ ان کا کام موثر اور ان کی آواز میں قوت پیدا ہو سکے۔

حواشی و مراجع

۱۔ تاریخ ولادت میں کچھ اختلاف ہے۔ کوثری نے "تانیب الخطیب علیٰ ماساقه' فی ترجمة ابی حنیفه من الاکاذیب" ص ۲۹۔ ۳۲ میں ۷۰ھ کو قرائن و دلائل سے ترجیح دی ہے، تاہم اکثریت ۸۰ھ پر متفق ہے۔ موفق مکی نے "مناقب الامام الاعظم" ص ۵ میں ۸۰ھ کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ ابن الاثیر "الکامل فی التاریخ". دارصادر۔ بیروت ۱۹۶۵ء ج ۴ ص ۳۹۲۔

۳۔ الجصاص: "احکام القرآن". دار احیاء التراث العربی۔ بیروت ۱۹۸۵ء ج۱ ص ۸۷-۸۸۔

۴۔ ابن عبد ربہ: "العقد الفرید". لجنۃ التالیف والترجمۃ۔ قاہرۃ،۱۹۴۰ھ ج۱ ص۶۲

۵۔ حجاج کے مظالم کے لیے دیکھیے۔ "الکامل" ج ۴ ص ۳۷۸-۳۸۷، ابن کثیر : "البدایة والنهایة". دارالفکر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیروت ج ۹ ص ۱۳۱-۱۳۸

۶۔ "الکامل" ج۴ ص ۵۸۳-۵۸۴۔

۷۔ شبلی: "علم الکلام اور الکلام"۔ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۹ء حصہ اول، ص ۲۵

۸۔ الیافعی: "مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان"۔ ۱۹۸۴ء مؤسسۃ الرسالۃ ۱۷۰، ص ۲۵۳

۹۔ السیوطی: "حسن المحاضرۃ"۔ المطبعۃ الشرقیۃ۔ مصر ۱۳۲۷ھ ج۲، ص۸۸

۱۰۔ ایضاً ص ۲

۱۱۔ "الکامل" ج۴ ص ۷۹

۱۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۸۸

۱۳۔ ابن سعد: "الطبقات الکبریٰ"، دارصادر۔ بیروت (س-ن) ج۵، ص ۳۸۴

۱۴۔ "العقد الفرید" ج۲ ص ۳۳۳

۱۵۔ "الکامل" ج۴ ص ۷۹

۱۶۔ "الاغانی"۔ المطبعۃ المصریۃ، بولاق، مصر ۱۲۸۵ھ ج۱۴ ص ۱۵۰، عربی ادب اور تاریخ کی کتابیں اس تنگ اور سراسر خلاف اسلام ذہنیت کے واقعات سے پُر ہیں۔

۱۷۔ "البدایۃ والنہایۃ"، ج۱۰ ص ۴۵-۵۱

۱۸۔ امام صاحب نے ۲۵ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک کا زمانہ اسی کی ولایت کے عہد میں گزارا ہے۔

۱۹۔ "الکامل" ج۵، ص ۲۲۴

۲۰۔ ایضاً ص ۲۷۹

۲۱۔ ایضاً ص ۲۲۴۔ اس صورت حال پر شاعروں نے بھی شعر کہے، ابن اثیر نے نقل کیا ہے ۔ الا قطع الرحمن ظهر مطية--- اتتنا تهادى من دمشق بخالد ---- فكيف يوم الناس من كانت امه ---- تدين بانّ اللّٰه ليس بحواحدٍ ---- بنىٰ بيعةً فيها النصارىٰ لأمهٖ ---- ويهدم من كُفرٍ منار المساجدِ. الکامل ۲۷۹/۵

۲۲۔ شبلی نے خروج کا واقعہ ۱۲۱ھ بتلایا ہے۔ (سیرت النعمان ص ۷۴) مگر ابن کثیر ۱۲۲ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ دیکھیے "البدایۃ والنہایۃ" ج۹ ص ۳۲۸-۳۲۹۔ حضرت زید کے حالات کے لیے دیکھیے۔ الصنعانی: "کتاب الروض النضیر"۔ دارالجیل۔ بیروت (س-ن) ج۱ ص ۴۵-۵۰۔ ابوزہرہ نے بھی آپ پر مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ "الامام زید، حیاته، و عصره، و آراوه، و فقهه"۔ دارالفکر العربی قاہرہ ۱۹۵۹ء۔ حضرت زید کے خروج کی تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ "تاریخ الطبری"۔ دارالمعارف۔ قاہرۃ (س-ن) ا ص ۴۵-۵۰)۔ ج۷ ص ۱۸۰-۱۹۱۔

۲۳۔ دیکھیے "الکامل" ج۵، ص ۲۲۹-۲۴۹، ۲۷۱، ۳۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۴۔ موفق کی: "مناقب الامام الاعظم"۔ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ۔ ۱۴۰۷ھ ج ۱ ص ۱۷۱۔ مناظر احسن گیلانی نے "حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء ص ۱۶۳ میں یہ عبارت امام صاحب کے حوالے سے نقل کی ہے مگر اسلوب عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیان موفق کی کا ہے۔

۲۵۔ "الکامل" ج ۵ ص ۲۲۴۔

۲۶۔ دیکھیے "الکامل" ۵/ ۴۱۱/ ۴۱۵، "البدایة و النهایة" ۱۰/ ۴۰-۴۱

۲۷۔ دیکھیے۔ "الکامل" ۴۲۲/۵-۴۲۹، "البدایة و النهایة" ۴۵/۱، ۵۴-۵۵

۲۸۔ "البدایة" ۶۸/۱۰

۲۹۔ "الکامل" ۵۲۱/۵-۵۲۳۔

۳۰۔ "البدایه" ۹۰/۱۰

۳۱۔ "مراة الجنان" ۳۲۰/۱

۳۲۔ "الکامل" ۵۷۰/۵، ابوالفداء "تاریخ ابو الفداء"۔ المطبعة الحسینیة المصریة، مصر (س-ن) ج ۲ ص ۴۔

۳۳۔ موفق لکھتے ہیں بروایت حسن "رأیت ابا حنیفه و ذکر محمد بن عبدالله ابن حسن بعد ما اصیب و عیناه تذمعان"۔ دیکھیے۔ مناقب موفق ۲۶۱/۱، ۸۴/۲

۳۴۔ "لما بلغ ابا حنیفة قتل ابراهیم الصائغ بکی حتی ظننا انه سیموت"۔ "احکام القرآن"۔ ۳۱۹/۲

۳۵۔ موفق: مناقب ۱۴۹/۲

۳۶۔ احکام القرآن: ۳۲۰/۲

۳۷۔ سرخسی: "کتاب المبسوط"۔ دارالمعرفة۔ بیروت ۱۹۷۸ء، ج ۱۰ ص ۱۲۵

۳۸۔ موفق۔ "مناقب" ۱۷۱/۲، خطیب بغدادی: "تاریخ بغداد"۔ دارالکتاب العربی۔ بیروت (س-ن) ج ۱۳ ص ۳۲۹

۳۹۔ "جامع ترمذی"۔ باب الصلح بین الناس۔

۴۰۔ کردری: "مناقب الامام الاعظم"۔ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ ۱۴۰۷ھ ج ۲ ص ۱۷۔ "الکامل" ۵۵۸/۵، کامل کی عبارت یہ ہے "یا امیرالمومنین" اباحوک مالایملکون، أر أیت لو انّ امراةً اباحت فرجها بغیر عقد نکاح و ملک یمین اکان یجوز ان توطأ قال لا و کفّ عن اهل الموصل"۔

۴۱۔ موفق: "مناقب" ۱۷۴/۱

۴۲۔ ایضاً ۲۱۶/۱

۴۳۔ ایضاً ۲۱۵/۱

۴۴۔ ایضاً ۱۸۰/۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۵۔ الآیۃ۔

۴۶۔ موفق: "مناقب" ۱/۱۷۲، "موفق ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وقت عصر داخل ہو چکا تھا، دخل وقت العصر (حوالہ مذکور)

۴۷۔ صبحی صالح لکھتے ہیں: وظلّ القاء مستقلاً لایتاثر بالاحزاب حتی فی عهد بنی أمية وانما بدا التاثير بميول الدولة الحاكمية فی العصر العباسی فكان العلماء يتورّعون عن منصب القضاء لئلاّ يغبضوا الله برضی الخلفاء". "النظم الأسلامية نشأتها وتطورّها". دار العلم للملايين. بیروت ۱۹۶۸ء ص ۳۲۳

۴۸۔ حوالہ مذکور ص ۳۸۷ بحوالہ کتاب الوزراء للجہشیاری۔

۴۹۔ موفق: "مناقب" ۲۱۵/۱

۵۰۔ "تاریخ بغداد" ۳۵۱/۱۳، ابن عبدالبر "الانتقاء فی فضائل الثلاثه الائمة الفقهاء". مکتبہ القدسی ۱۳۵۰ھ ص ۱۲۵

۵۱۔ "تاریخ بغداد" ۳۵۱/۱۳، "الانتقاء" :۱۵۲

۵۲۔ ابوزہرۃ: "ابوحنيفة. حياته و عصره، آراؤه و فقهه". دارالفکر العربی (س-ن) ص ۴۷

۵۳۔ بعض تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔ مازال ابوحنيفة يخطی ابن ابی ليلی فی مسائله و قضاياه و يظهر ذالک حتی عزل ابن ابی لیلیٰ عن القضاء". موفق: "مناقب" ۱۱۲/۱

۵۴۔ کردری: "مناقب" ۱۶/۲

۵۵۔ امام صاحب کی ایمانی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ خلافت کے متعلق سوال کرنے کے بعد بھی وہ اظہار حق میں مصلحت کوشی سے کام لیں۔ امام صاحب کے اصل الفاظ یہ تھے۔ "ولقد وليت الخلافة وما اجتمع عليک اثنان من أهل الفتویٰ والخلافة تكون باجتماع المومنين و مشورتهم فهٰذا ابوبكر الصديقؓ امسک عن الحكم ستّة اشهر حتی جائه بيعة اهل اليمن". (کردری ۱۶/۲)

۵۶۔ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر اچھی بحث کی ہے۔ دیکھیے ابن تیمیہ: منهاج السنة فی تفض الكلام الشيعية والقدرية. "المكتبة السلفية. لاہور ۱۹۷۶ء ص ۷۶-۹۷

۵۷۔ جصاص: "احکام القرآن" ۸۶/۱

۵۸۔ ایضاً ۸۷/۱

۵۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ: "خلافت و ملوکیت". اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ-لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۵۴

۶۰۔ "احکام القرآن"، ۳۲۰/۲۔ جصاص کے الفاظ یہ ہیں: "وزعموا مع ذالک ان السلطان لاينكر عليه الظلم والجور و قتل النفس التی حرّم الله وانّما ينكر علیٰ غير السلطان بالقول اوباليد بغير سلاح فصار واشراً علی الامة من اعدائها المخالفين لها لانهم اقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية وعن الانكار علی السلطان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الظلم والجور حتی ادّی ذالک الیٰ تغلب الفجار----" (حوالہ مذکور)

۶۱۔ اشعری کے نقل کردہ الفاظ یہ ہیں: "السیف باطل" ولوقتلت الرّجال وسُبّیت الذریّة وانّ الامام قد یکون عادلاً ویکون غیر عادلٍ ولیس لنا ازالته' وان کان فاسقاً وانکرو الخروج علی السلطان لالم یروہ وهذا قول اصحاب الحدیث". دیکھیے الاشعری: "مقالات الاسلامیین". مکتبۃ النہضہ المصریۃ ۱۹۶۹ء ج۲ ص ۱۴۰۔

۶۲۔ "احکام القرآن" ۸۶/۱۔ ۸۔ ابن حزم نے اس مسئلہ میں مختلف نقطہ ہائے نظر ذکر کرتے ہوئے، جمہور اہلسنت کے مسلک کو مع دلائل ترجیح دی ہے۔ ابن حزم: "کتاب الفصل فی الملل والنحل". مطبعۃ التمدن ۱۳۲۱ھ ج۴ ص ۱۷۱۔

۶۳۔ "احکام القرآن" ۸۶/۱-۸۷

۶۴۔ ایضاً ۳۱۹/۲

۶۵۔ حوالہ مذکور

۶۶۔ ایضاً ۳۲۰/۲

۶۷۔ دیکھیے۔ ابو حنیفہ "فقه الاکبر" وشرحه' لملاّ علی القاری. دارالکتب العربیة الکبریٰ. مصطفی البابی الحلبی. مصر (س-ن) ص ۵۹۔ ۶۲

۶۸۔ بخاری۔ "الجامع الصحیح". باب مناقب قریش۔ مسلم "للجامع الصحیح". کتاب الامارۃ

۶۹۔

۷۰۔ ابن خلدون: "مقدمہ ابن خلدون". دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت ۱۹۷۸ء، ص ۱۹۵-۱۹۶

۷۱۔ محدث انور شاہ کشمیری سے فیض الباری علی صحیح البخاری میں منقول ہے: "وفی الدار المختار فی باب الامامة ان الامامة علی نحوین. امامة صغریٰ وامامة کبریٰ وتشترط القریشیة فی الکبریٰ ولا یشترط کونه' سیّدًا. نعم فی "مواهب الرحمن": انها لیست بشرط عند امامنا. ثم لا أدری انه' روایة عنده' اوماذا وفی 'تحریر المختار فی المناقضات علیٰ ردّ المختار" معالم مصری عن ابی یوسف مثله'. "فیض الباری" کتاب الاحکام۔ مکتبہ یعقوب القراہی ۱۹۳۸ھ ج۴ ص ۴۹۸ نیز "معارف السنن" شرح ترمذی میں علامہ موصوف سے منقول ہے: وقد ذکر فی الدر المختار و شرحه نبذًا من احکام الکبریٰ ایضاً وهی الخلافة واشترطوالها ان یکون الامام قریشیا. وفی "التحریر المختار" ۶۸/۱ عن ابی حنیفة "انه لا یشترط" نقله' عن "شرح الحموی علی الاشباه'ش فی الضن الثالث حکاه عن الطرطوسی فی کتابه "تحفة الترک فیما یحب ان یعمل به فی الملک". قال قال الامام واصحابه: لایشترط فی صحة تولیة للسلطان ان یکون قرشیاً ولا مجتهدًا ولا عدلاً". (عدل والی شرط محل نظر ہے) اس کے بارے میں امام صاحب کا مسلک بالکل واضح ہے)۔ دیکھیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''معارف السنن شرح ترمذی'' (افادات انور شاہ کشمیری مولفہ محمد یوسف بنوری) ایچ ایم سعید کمپنی۔ کراچی ۱۳۹۸ھ ج۲ ص ۳۲۲-۳۲۳

۷۲۔ ابوزہرہ: "ابوحنیفہ" ص ۱۶۵

۷۳۔ ایضاً ص۱٦٦

۷۴۔ ابن ابی العز: "شرح الطحاویہ". دارالمعارف مصر ۱۳۷۳ھ ص ۴۰۳-۴۱۶، "الفقہ الاکبر و شرحہ' لملاّ علی القاری" ص ۵۹-۶۰

۷۵۔ ابن خلکان: "وفیات الاعیان". منشورات الرضی۔ قُم ج۵ ص ۴۰۵

۷۶۔ کردری "مناقب" ۲/۷۲

۷۷۔ ابن ابی العز۔ "شرح الطحاویۃ"ص ۴۰۳-۴۱۶

۷۸۔ حسن بن زیاد عن ابی حنیفہ انہ' قال: ماقاتل احد علیاً الاّ وعلی اولیٰ بالحق منہ ولولا ما سارعلی فیھم ما علم احدکیف السیرة فی المسلمین (موفق: ''مناقب'' ۸۳/۲) وعند انہ' قال: ما قاتل احدٌ علیاً رضی اللہ عنہ لیردہ' الی الحق الاّ وکان علیٌ اولیٰ بالحق منہ ولو لاہ ماعلم احد کیف السیرة فی قتال المسلمین". (کردری ''مناقب' ۷۲/۲)

۷۹۔ الصنعانی: ''کتاب الروض النضیر" ۵۰/۱

۸۰۔ موفق: "مناقب" ۱/ ۲۶۰

۸۱۔ ''کتاب الروض النضیر" ۱/ ۴۶

۸۲۔ موفق: "مناقب" ۱/ ۲۶۰-۲۶۱۔ جب امام سے پوچھا گیا "لم تخلفت عنہ، قال لاجل ودائع کانت عندی للناس عرضتھا علیٰ ابن ابی لیلیٰ فما قبلھا فخفتُ ان اقتل مجھلاً للودائع". اور ایک روایت میں ہے: "اعتذر بمرض یعتریہ فی الایام حتی تخلف عنہ" (حوالہ مذکور)

۸۳۔ موفق: "مناقب" ۱/ ۲۶۰۔

۸۴۔ ''تاریخ طبری" ۷/ ۱۶۷-۱۶۸

۸۵۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں: "انا ندعوکم الی کتاب اللہ و سنة نبیّہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وجھاد الظالمین، والدفع عن المستضعفین، واعطاء المحرومین، وقسم ھذا الفئی بین اھلہٖ بالسواء، وردّ الظالمین، واقفال المجمّر ونصرنا اھل البیت علیٰ من نصب لنا وجھل حقّنا". طبری ۱۷۲/۷

۸۶۔ "مراة الجنان" ۱/ ۳۲۰، "الکامل" ۵٦٦/۵

۸۷۔ مثلاً ۵۰ دن تک مصلے پر بیٹھے رہنا اور ایک ہی لباس پہننا وغیرہ۔ دیکھیے حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۸۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۸۳-۸۴

۸۹۔ "احکام القرآن" ۱/ ۸۷

۹۰۔ مودودی: "خلافت و ملوکیت" ص ۲۷۰

۹۱۔ "مراۃ الجنان" ۱/ ۳۲۲

۹۲۔ "تاریخ بغداد" ۱۳/ ۳۲۹

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی کہ میں اپنے بیٹے کو ابراہیم کے ساتھ خروج سے منع کرتی ہوں مگر وہ نہیں رکتا تو آپ نے فرمایا "لاتمنعی"۔ اور حماد بن امین آپ کے متعلق فرماتے ہیں: "کان یحض الناس علیٰ مبایعۃ ابراھیم (مناقب کردری ۲/ ۷۲)۔ موفق لکھتے ہیں: "کان ابو حنیفہ یحض الناس علیٰ ابراھیم ویأمرھم باتباعہ"۔ موفق۔ "مناقب" ۲/ ۸۴

۹۳۔ "مراۃ الجنان" ۱/ ۳۲۰

۹۴۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۱۸۴

۹۵۔ ایضاً

۹۶۔ "حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی"، ص ۳۲۸، ۳۳۶

۹۷۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۱۷۷-۱۷۸، "تاریخ بغداد" ۱۳/ ۳۲۶-۳۲۷

۹۸۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۲۱-۲۴

۹۹۔ تفصیل دیکھیے۔ حوالہ مذکور ۲/ ۱۷۲-۱۷۸

۱۰۰۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۱۷۳ (ضیقوا علیہ الامر فی الطعام والشراب والحبس فلما ابی علیھم وو سوا الیہ فسموہ وقتلوہ)

۱۰۱۔ حوالہ مذکور ۱۷۳-۱۷۴ نیز کردری: "مناقب" ۲/ ۱۹

۱۰۲۔ "تاریخ بغداد" ۱۳/ ۳۲۸

۱۰۳۔ "الخیرات الحسان": ۶۱-۶۰

۱۰۴۔ "الانتقاء" ص ۱۷۰-۱۷۱۔ ابن عبدالبر ابو یوسف کے حوالے سے لکھتے ہیں: "انما کان غیظ المنصور علیٰ ابی حنیفۃ مع معرفتہ بفضلہ انہ لما خرج ابراھیم بن عبداللہ بن حسن البصرۃ ذکر لہ' ان ابا حنیفہ والاعمش یخاطبانہ من الکوفۃ فکتب المنصور کتابین علیٰ لسانہ احدھما الی الاعمش والآخر الیٰ ابی حنیفہ من ابراھیم بن عبداللہ بن حسن و بعث بھما مع من یثق بہ فلما قرا لأعمش الکتاب اخذہ' من الرجل وقراہ' ثم قام فاطعمہ الشاۃ والرجل ینظر فقال لہ' ما اردت بھذا قال قل لہ' انت رجل من بنی ھاشم انتم کلکم لہ'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احباب والسلام. واما ابو حنیفة فقبل الکتاب و اجاب عنه فلم یزل فی نفس ابی جعفر حتی فعل بہ ما فعل“. (حوالہ مذکور)

۱۰۵۔ موفق: ”مناقب“ ۱/ ۲۴۸

۱۰۶۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص ۲۳۱

۱۰۷۔ موفق: ”مناقب“ ۱/ ۱۷۴-۱۷

۱۰۸۔ ایضاً ۱/ ۱۷۴

۱۰۹۔ ایضاً ۱/ ۱۵۱

۱۱۰۔ کردری: ”مناقب“ ۱/ ۲۰۰۔ کردری کی عبارت یہ ہے ”وقوله الیٰ قیام الساعة یحتمل ان یرادبہ الیٰ قیامی السّاعة من المجلس فخذف الیاء واکتفی بالکسرة او الیٰ قیام القیامة“۔ (حوالہ مذکور)

۱۱۱۔ تفصیل دیکھیے: موفق، ”مناقب“ ۲۱۳، ۱/ ۲۱۵، ۲/۲۱، ۲۲، ۱۶۹، کردری: ”مناقب“ ۱/ ۲۳۳، ۲/۲۶۔ موفق لکھتے ہیں: ”هل سمعت برجلٍ ضرب علی القضاء فی الاسلام غیر ابی حنیفه“. (مناقب ۲/۱۷۷)

۱۱۲۔ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے کہا ”ایها الشیخ لو اکثرت من غشیاننا وزیار تنا لأ فلتنا و نفعتنا فقال لهٗ ابو حنیفة وما اصنع عندک ان قربتنی فتنتنی وان اقضیتنی احزنتنی ولیس عندک ما ارجوه ولا عندی ما اخافک علیه“. بعض روایات میں ہے کہ یہ الفاظ آپ نے منصور سے بھی کہے تھے اور ایک روایت میں عیسیٰ بن موسیٰ امیر کوفہ کے سامنے بھی کہنے کا ذکر ہے۔ موفق ۱/ ۱۷۲-۱۷۳

۱۱۳۔ دیکھیے۔ ذہبی: ”مناقب الامام وصاحبیه ابی یوسف و محمد بن الحسن“. دارالکتاب العربی۔ مصر (س-ن) ص۹

۱۱۴۔ ”کنت فی جوار ابی حنیفة ثلاث سنین فکنت اسمع قرأته' باللیل فی صلاتہٖ عامة اللیل و کنت اسمع صیاحه' عامة النهار مع اصابہٖ فی ابواب الفقه فلا ادری متیٰ یتفرغ لطعامہٖ ونومہٖ“. موفق: ”مناقب“ ۱/ ۲۵۰

۱۱۵۔ امام محمد کے الفاظ یہ ہیں: ”کرهتُ ان اخرج عن الطبقة التی جعلتنی فیها انک اهلتنی للعلم فکرهتُ ان اخرج منه الیٰ طبقة الخدمة التی هی خارجة منه وان ابن عمک صلی الله علیه وسلم قال من احبّ ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوّا مقعده' من النار وانّه' انما اراد بذالک العلماء فمن قام بحقّ الخدمة واعزاز الملک فهو هیبة للعدوّ. ومن قعد اتبع السنة التی عنکم اخذتُ فهو زین لکم قال صدقتُ یا محمد، ”تاریخ بغداد“ ۲/ ۱۷۴

۱۱۶۔ دیکھیے: موفق ”مناقب“ ۲/۱۵۹، ۲۲۷، کردری: ”مناقب“ ۲/ ۲۳۹، ۲۳۹، ”تاریخ بغداد“ ۸/ ۱۹۲، ۳۰۹

۱۱۷۔ کردری: ”مناقب“ ۲/ ۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۸۔ موفق: "مناقب" ۲/ ۲۲۶-۲۲۷، آپ نے ہارون الرشید کے ایک سپہ سالار کی شہادت بھی اسی قول کی بناء پر مسترد کر دی تھی۔ (حوالہ مذکور ص ۲۴۰)۔ موفق کا نقل کردہ واقعہ ان الفاظ سے مروی ہے۔ "حکی عن ابی یوسف ان علی بن عیسیٰ وزیر الخلیفه شهده' عنده' بشهادة فرد ابویوسف شهادته' فدخل الوزیر علی الخلیفه شاکیاً فدعا الرشید ابایوسف وقال له' لم رددّتَ شهادته' فقال لانی سمعته' یقول انا عبدالخلیفة و شهادة العبد مردودة. بعض روایات میں باجماعت نماز نہ پڑھنے پر شہادت رد کی۔ قال انما ردتُ شهادته' لانه' بلغنی انه' لایصلیّ الصلوٰت فی الجماعة حتی بنی علی بن عیسیٰ مسجدًا فی صحن داره فکان یشهد الجماعات". (موفق ۲/ ۲۲۶-۲۲۷)۔

۱۱۹۔ دیکھیے ہشام بن عبدالملک اور عطاء کے درمیان باہمی گفتگو۔ موفق: "مناقب" ۱/۸۔

© rasailojaraid.com